المنار جرمنی

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

T. I. COLLEGE OLD STUDENT'S ASSOCIATION GERMANY

جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ 2023

المنار جرمنی

جنوری-فروری-مارچ 2021

بمطابق: صلح-تبلیغ-امان-1400

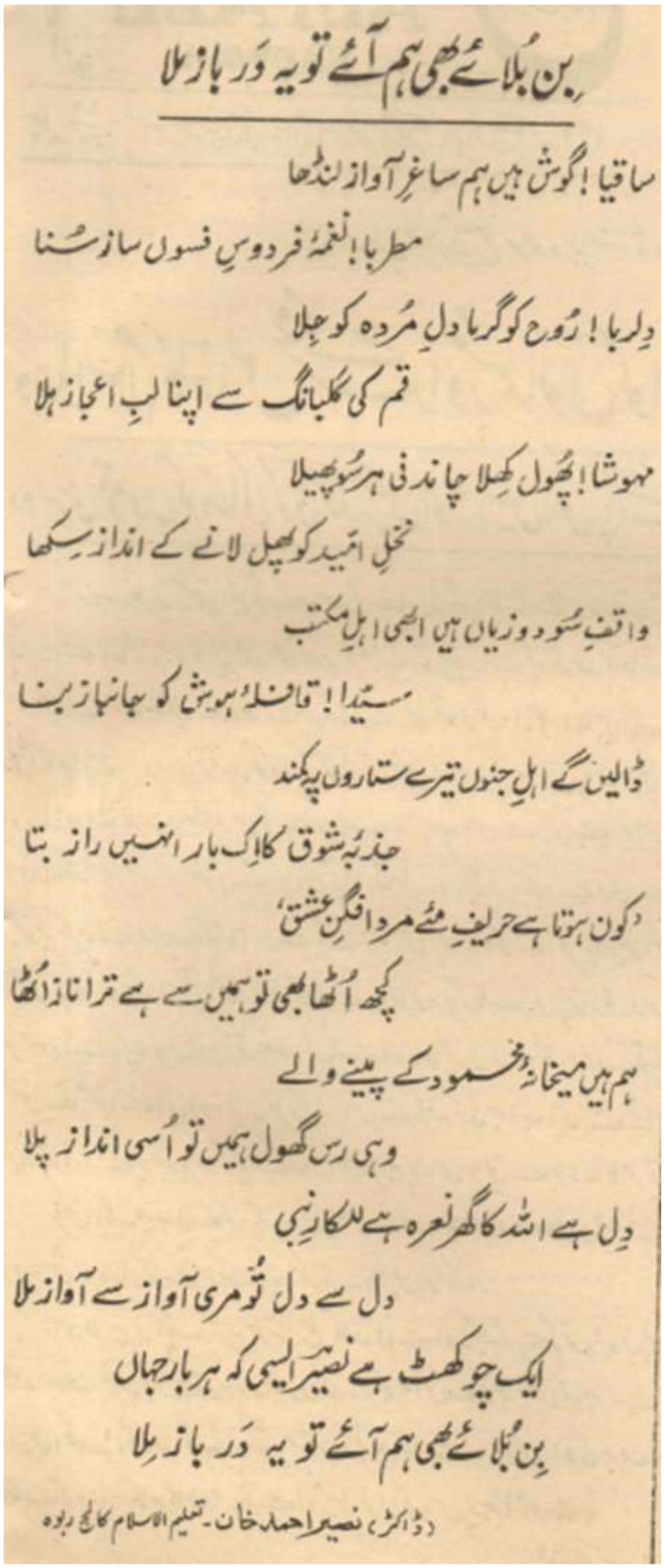

بن بلائے بھی ہم آئے تو یہ دَر باز ملا

ساقیا! گوش ہیں ہم ساغرِ آواز لنڈھا
مطربا! نغمۂ فردوسِ فسوں ساز سُنا

دِلربا! رُوح کو گرما دلِ مُردہ کو جِلا
قُم کی کلبانگ سے اپنا لبِ اعجاز ہلا

مہوشا! پھُول کھِلا چاندنی ہر سُو پھیلا
نخلِ امّید کو پھل لانے کے انداز سِکھا

واقفِ سُود و زیاں ہیں ابھی اہلِ مکتب
مسیحا! قافلۂ ہوش کو جانباز بنا

ڈالیں گے اہلِ جنوں تیرے ستاروں پہ کمند
جذبۂ شوق کا اِک بار انہیں راز بتا

'کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق'
کچھ اُٹھا بھی تو ہمیں سے ہے ترا ناز اُٹھا

ہم ہیں میخانۂ محمود کے پینے والے
وہی رس گھول ہمیں تو اُسی انداز پلا

دِل ہے اللہ کا گھر نعرہ ہے للکارِ نبی
دل سے دل تو مری آواز سے آواز ملا

ایک چوکھٹ ہے نصیرؔ ایسی کہ ہر بار جہاں
بِن بُلائے بھی ہم آئے تو یہ دَر باز مِلا

(ڈاکٹر) نصیر احمد خان۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن
جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن
جرمنی

چوہدری عبد الغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

پتہ
Bait us Sabooh
Genferstrasse 11
60437 Frankfurt / M
E-Mail:
columbuskhan@gmail.com

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿1﴾

وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴿10﴾ وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ﴿11﴾ فِیۡهَا فَاکِهَةٌ ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿12﴾ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّیۡحَانُ ﴿13﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿14﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ﴿15﴾ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ﴿16﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿17﴾ رَبُّ الۡمَشۡرِقَیۡنِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبَیۡنِ ﴿18﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿19﴾ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیٰنِ ﴿20﴾

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بِن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اور وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور تول میں کوئی کمی نہ کرو۔ اور زمین کی بھی کیا شان ہے۔ اُس نے اُسے مخلوقات کے لئے (سہارا) بنایا۔ اس میں طرح طرح کے پھل ہیں اور خوشہ دار کھجوریں بھی۔ اور بھوسے والے اناج اور خوشبودار پودے۔ پس (اے جن و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ اس نے انسان کو مٹی کے پکائے ہوئے برتن کی طرح کی خشک کھنکتی ہوئی مٹی سے تخلیق کیا۔ اور جن کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ پس (اے جن و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ دونوں مشرقوں کا ربّ اور دونوں مغربوں کا ربّ۔ پس (اے جن و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ وہ دو سمندروں کو ملا دے گا جو بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے سے ملیں گے۔

حدیث نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی بچوں) سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہے اور مَیں تم سب سے زیادہ اپنے اہل سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔

ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملایک میں نہیں تھا نجوم میں نہیں تھا قمر میں نہیں تھا آفتاب میں بھی نہیں تھا وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سیّد الانبیاء سیّد الاحیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نُور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں۔۔۔ اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سیّد ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔

(حضرت مرزا غلام احمد، مسیح موعودؑ۔ آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5۔ صفحہ 160 تا 162)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز

""اس زمانہ میں احمدی خوش قسمت ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے جدید سہولتیں اور ایجادات پیدا فرمائیں وہاں احمدیوں کو بھی ان سے نوازا۔ دین کی اشاعت کے لئے جماعت کو بھی یہ سہولت مہیا فرمائی۔ ٹی وی، انٹرنیٹ اور ویب سائٹس وغیرہ پر جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا کلام آج موجود ہے جس پر ہم جب چاہیں پہنچ سکتے ہیں۔ مختلف بڑی زبانوں میں ان کو دیکھ بھی سکتے ہیں اور سن بھی سکتے ہیں وہاں خلیفۂ وقت کے نصائح اور خطابات بھی وہاں سن پڑھ سکتے ہیں جو قرآن، حدیث، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام پر ہی مشتمل ہوتے ہیں"

(حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، خطبہ جمعہ 9۔ اکتوبر 2015)

پیغامِ صدر

عزیز برادران!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

وقت کا دھارا بہتا چلا جارہا ہے اور سال 2023 بھی آن پہنچا ہے۔ فریاد آزر صاحب کے بقول

؎ نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

جیسا کہ اس کا اعلان مختلف اوقات میں کیا جا چکا ہے کہ ٹکوسا کی نئی مجلس عاملہ کی منظوری ملنے کے بعد نئے جوش اور ولولے سے عمل بھی شروع ہو چکا ہے ۔ سال 2023 میں ہم نے ان شاء اللہ نئے ریکارڈ قائم کرنے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں ہماری سرگرمیوں پر کرونا کی پابندیوں کا بھی کچھ اثر تھا۔ ان پابندیوں کی حدود میں رہتے ہوئے ہم نے کئی پروگرام مثلاً گیمز، دورہ بلغاریہ۔ یوکے کا سفر اور اسی طرح یوکے ٹکوسا کو جرمنی کا سفر، کتب کی رونمائی۔ سائیکل ٹور مشاعرے وغیرہ بنائے اور ان پر کامیابی سے عمل بھی کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ان پروگراموں میں ممبران کا میل جول اور تفریح کا عنصر زیادہ تھا۔ اب چونکہ باہمی ربط کافی مضبوط ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوستوں کو کشائش حاصل ہے۔ اس سال دیگر پروگرامز کے ساتھ خدمت خلق کی سرگرمیوں کو تیز کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ جیسا کہ بھائیوں کو علم ہے کہ وہ اپنا سالانہ چندہ بیس یورو اپنی جماعت میں باقی چندوں کی طرح TMF کی مد میں ادا کر سکتے ہیں۔ ایک نہایت اہم کارِ خیر مستحق طلبا کی مالی امداد ہے جسے ڈیڑھ لاکھ سے شروع کیا گیا تھا جو گزشتہ سال ساڑھے تین ملین سے تجاوز کر گیا۔ تمام بھائیوں کا دلی شکریہ جنہوں نے از خود اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی کوشش کی۔ اب پاکستان میں مہنگائی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اخراجات کہیں زیادہ آتے ہیں اس لئے اس سال ہمارا ٹارگٹ زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسے حاصل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ اس کے لئے آپ TSF کی مد میں ادائیگی کر سکتے ہیں۔ تین سو سے زائد ادائیگی کرنے والوں کو معاونین خصوصی کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے۔ ہمارا تیسرا پروجیکٹ افریقہ میں سکول کی عمارتوں کی تعمیر اور کنویں لگوانا ہے۔

افریقہ سے آنے والی دردناک خبر سب کے علم میں آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار عبدالغفور ڈوگر

صدر۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی۔

منظوری مجلس عاملہ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔جرمنی

اجتماع انصاراللہ جرمنی 2022 کے موقعہ پر سال 2023 تا 2025 کے لئے تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی عاملہ کے لئے محترم صداقت احمد صاحب مشنری انچارج جرمنی کی زیرِ صدارت منعقد ہونے والے انتخابات کی سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آمدہ منظوری کے مطابق فہرست حسبِ ذیل پیشِ خدمت ہے۔

اعزازی سرپرست:	مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
صدر:	مکرم عبدالغفور ڈوگر صاحب
نائب صدر:	مکرم حبیب اللہ طارق صاحب
جنرل سیکریٹری:	مکرم شیخ منصور احمد صاحب
سیکرٹری مال:	مکرم حمید الدین ناصر صاحب
سیکرٹری ضیافت:	مکرم عبدالحنان ڈوگر صاحب
سیکرٹری تقریبات:	مکرم سعید ناز صاحب
سیکرٹری تجنید:	مکرم عامر افتخار ماعر صاحب
سیکرٹری سپورٹس:	مکرم شکیل احمد صاحب
سیکرٹری اشاعت:	مکرم محمد کولمبس خاں صاحب
سیکرٹری Associate Members:	مکرم داؤد احمد چیمہ صاحب
سیکرٹری سمعی بصری:	مکرم محمد افضل صاحب
معاون صدر:	مکرم منیر احمد باجوہ صاحب

علاقائی سیکرٹریان

ہمبرگ سٹی:	مکرم اعزاز رسول صاحب	ہوزم:	مکرم چوہدری منیر احمد صاحب
کیل:	مکرم بشیر الدین صاحب	برلن:	مکرم آفاق باجوہ صاحب
کولون:	مکرم میجر عبدالوحید ظفر صاحب		

خاکسار

شیخ منصور احمد

جنرل سیکریٹری تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔جرمنی

پیارے برادران!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مجلس عاملہ تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے کام کو مزید بہتر کرنے کے لئے میں شعبہ جات میں ایک سال کے لئے نائب سیکرٹریان مقرر کئے گے ہیں۔ بھائیوں کی خدمت میں ان سے تعاون کی درخواست ہے۔

مجلس عاملہ

اعزازی سرپرست:	مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
1-صدر چوہدری عبدالغفور ڈوگر-	معاون صدر منیر احمد صاحب باجوہ-میجر رانا عبدالوحید صاحب
2-نائب صدر حبیب اللہ طارق صاحب	معاون نائب صدر اعزاز رسول صاحب
3۔جنرل سیکرٹری شیخ منصور احمد صاحب	ایڈیشنل جنرل سیکرٹری چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب
4-سیکرٹری مال حمید الدین ناصر صاحب	نائب سیکرٹری مال نعیم احمد صاحب
5-ضیافت چوہدری عبدالحنان ڈوگر صاحب	نائب سیکرٹری عطاء العزیز صاحب
6-سیکرٹری تقریبات سعید احمد ناز صاحب	نائب سیکرٹری چوہدری عبدالرزاق ڈوگر
7-سیکرٹری تجنید عامر افتخار صاحب	نائب سیکرٹری سلیمان محمود صاحب
8-سیکرٹری سپورٹس سید شکیل احمد صاحب	نائب سیکرٹری ثاقب مسعود صاحب
9-اشاعت چوہدری کولمبس خان صاحب	نائب سیکرٹری ابراہیم عثمان صاحب
10-سیکرٹری سمعی بصری محمد افضل صاحب	نائب سیکرٹری شاہد عباسی صاحب
11-ایسوسی ایٹ ممبرز۔داؤد چیمہ صاحب	کولمبس خان صاحب نائب سیکرٹری چوہدری نصیر احمد صاحب

والسلام

خاکسار عبدالغفور ڈوگر

صدر ٹکوسا۔جرمنی

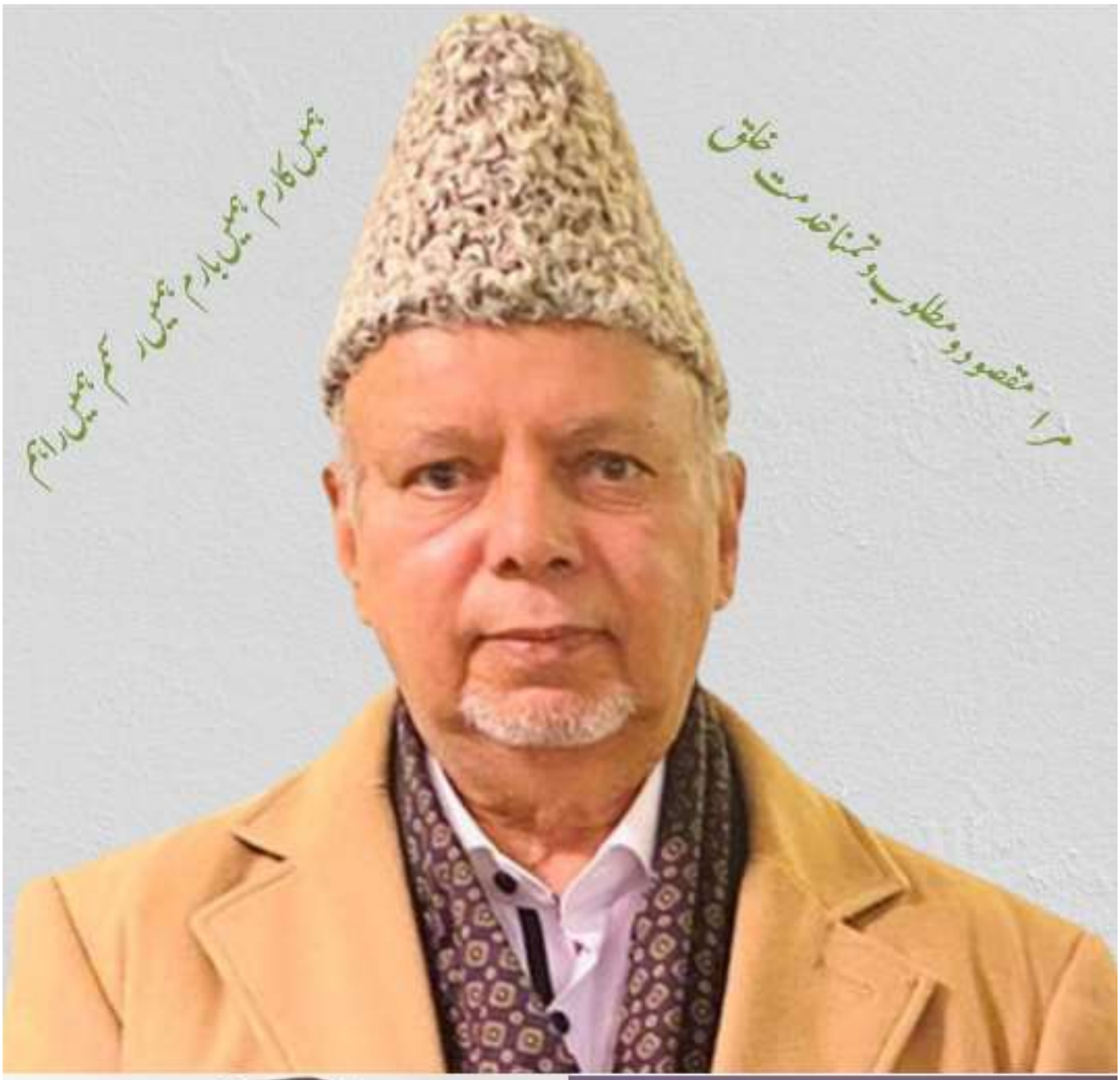

ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسم ہمیں راہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق

"بورکینافاسو مہدی آباد (افریقہ) کے شہداء کی عظیم الشان قربانی"

ظالم نے ظلم کر کے کہا کر لو کوئی چارا
چھوڑو عقیدہ اپنا یہ جیوَن کا ہے اشارہ

اک بار اتنا کہہ دو ہم احمدی نہیں ہیں
ہم چھوڑ دیں گے تم کو وعدہ رہا ہمارا

تو جو بھی کرنا کرلے ہم ہر طرح سے حاضر
حق چھوڑنا ہمیں تو ہر گز نہیں گوارا

تُو کرلے پوری منشا جو تیرے دل میں آئے
پھر دیکھ لے درندے، تُو نے کسے پکارا

ان جانثاریوں کی تجھے کیا خبر اے ناداں
مسیح محمدی ہے ہمیں جاں سے بھی پیارا

اسکی سچائی دیکھی اسے دل میں ہے بسایا
ہے یقیں ہمارا پختہ ہو اُور شک ہمارا

موت اک طرف کھڑی تھی اک طرف زندگی بھی
ہم نے تو سچ کی خاطر سب کچھ ہے اپنا وارا

کرلے تُو وار ظالم! لے لے تُو جاں ہماری
یہ جاں نہیں ہے اپنی یہ تو ہے استعارا

سدا نامرادیاں ہی رہے گا نصیب تیرا
لے جان ہے یہ حاضر تُو کرلے یہ نظارا

نہیں پہلا سانحہ یہ سو سال کی کہانی
سو بار ہو چکا ہے یہ امتحاں ہمارا

ہمیں موت سے ڈرانا یہ بھول ہے تمہاری
دلبر کی راہ میں مرنا یہ کھیل ہے ہمارا

اس راہ میں جان حاضر اہل و عیال حاضر
اس نور کی ہی خاطر سب کچھ فدا ہمارا

اک ایک ہم میں حاضر اک اک کی جان لے لے
دے گا سدا گواہی ہمارے یہ خوں کا دھارا

تُو نے ہے ہم کو مارا ہم پھر بھی مرے نہیں ہیں
ہم ابد تک جئیں گے لعنت نے تم کو مارا

لبیک پیارے آقا! لبیک یا الٰہی!
اے آسماں گواہ رہ! مولا ہے بس ہمارا

ہم جا رہے ہیں جگ سے اتنا تمہیں بتا دیں
یہ راہ بڑی ہے افضل ہمیں جس سے ہے گزارا

سارے جہاں کو جا کر منیر یہ بتا دو
وہ امام آچکا ہے جسے فلک نے اتارا

(منیر احمد باجوہ۔ خالد ملک ساحل۔ عامر افتخار۔ مہدی آباد۔ جرمنی)

(محمد کولمبس خاں ایڈیٹر المنار جرمنی، عامر افتخار۔ منیر احمد باجوہ۔ چوہدری منیر احمد ہوزم)

غزل

حنا تیموری—ہندوستان)

ہر شخص کہہ رہا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
دعویٰ میرا بجا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

ہم آ کے تیرے شہر سے واپس نا جائینگے
یہ فیصلہ کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

سجدہ کروں کہ نقشِ قدم چومتی رہوں
گھر کعبہ بن گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

کہتے تھے تجھ کو لوگ مسیحا مگر یہاں
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

سجدہ تجھے کرونگی تو کافر کہیں گے لوگ
یہ کون سوچتا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

کھوئی ہوئی سی رہتی ہے ہر وقت اب حناؔ
یہ حال ہو گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

انسان کے دشمن ہیں، شیطان کے چیلے ہیں
گمراہوں کی بستی میں ہر سمت اندھیرے ہیں

ان لوگوں کی آنکھوں سے بس خون ٹپکتا ہے
دہشت کی علامت ہیں، قاتل ہیں، لٹیرے ہیں

جن فتنہ پرستوں کے دن رات ہوں بارودی
قسمت میں کہاں ان کی معصوم سویرے ہیں

کیا قوم میں بانٹیں گے وہ نور صداقت کا
جن لوگوں کے ہاتھوں میں ظلمت کے پھریرے ہیں

یہ دشمنِ دینِ حق، دجال کے پیروکار
طوفان مفاسد کے بپھرے ہوئے ریلے ہیں

پیسے گا خدا اُس کو تقدیر کی چکی میں
اس ملک میں جس نے بھی مُفسد یہ بکھیرے ہیں

ارباب سیاست ہیں الجھے ہوئے آپس میں
جب چاروں طرف دشمن افواج کے گھیرے ہیں

وہ شہر مقدس جو تھا امن کا گہوارہ
اُس شہر میں اب کیسے لوگوں کے بسیرے ہیں

حافظ ہے خدا یوسؔف اُس دیس کے لوگوں کا
چھت بھی تو نہیں سر پر، بادل بھی گھنیرے ہیں

(عبدالکریم قدسی)

بس ایک شرط ہے ملاؤں کے زوال کے ساتھ
کہ سارے لوگ چلیں مصطفیٰ کمال کے ساتھ

وقار لوٹ لیا انتہا پسندوں نے
کھڑے ہیں دہر میں اب عرق انفعال کے ساتھ

لہو نفاق کا ان کی رگوں میں دوڑتا ہے
جدھر بھی جاتے ہیں جاتے ہیں اک وبال کے ساتھ

نہ عدل کی ہے رمق ان میں اور نہ خوفِ خدا
وہ جھوٹ بولتے ہیں عجب کمال کے ساتھ

مذاق اڑائیں گے منبر پہ وہ مخالف کا
وہ گفتگو بھی کریں گے تو اشتعال کے ساتھ

کلیدِ جنت الفردوس ان کی جیبوں میں
جنہیں وہ بانٹتے ہیں، فتوی قتال کے ساتھ

فسادِ خلق کے ڈر سے نہ سچ لکھا میں نے
یہ بات لکھ رہا ہوں بڑے ملال کے ساتھ

یہ کیا گوشہ نشیں ہو گئے ہو تم قدسؔی
کبھی تو سیر کو نکلو کسی غزال کے ساتھ

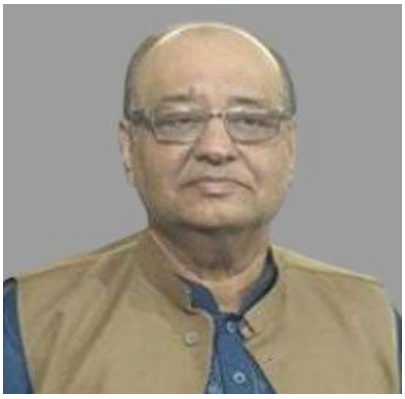

(خالد ملک ساحل)

اک تری یاد کے سہارے پر
زِندگی کٹ گئی کنارے پر

کون رستے بدل رہا ہے وہاں
کون رہتا ہے اُس ستارے پر

روشنی کی اگر علامت ہے
راکھ اُڑتی ہے کیوں شرارے پر

امتحاں کی خبر نہیں لیکن
رو رہا ہُوں ابھی خسارے پر

جب نظر کو نظر نہیں آیا
زِندگی رُک گئی نظارے پر

میرے اِصرار پر نہیں آیا
جس کو اصرار تھا اِشارے پر

خودنُمائی کا جال تھا ساحلؔ
مَیں نے بھی فکر کے سنوارے پر

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
کیپٹن نذیر احمد صاحب شہید
آپ چوہدری امام الدین صاحب کے فرزند تھے۔آپ کا آبائی گاؤں 82 جنوبی ضلع سرگودھا ہے۔آپ 1932ء میں پیدا ہوئے۔ کیپٹن چوہدری نذیر احمد صاحب 8 ستمبر 1965ء کو کھیم کرن کے محاذ پر وطن عزیز کا دفاع کرتے ہوئے شہادت کے رتبہ پر فائز ہوئے۔ سات ستمبر کو بھارتی افواج نے قصور پر تین اطراف سے حملہ کیا۔ ہماری فوج کے بہادروں نے نہ صرف بھارتی افواج کو پسپا کیا بلکہ کھیم کرن کو فتح بھی کیا۔ انہی بہادروں میں کیپٹن نذیر احمد صاحب بھی تھے۔آپ 8 ستمبر کو زخمی ہوئے اور اسی روز جام شہادت نوش کر لیا۔
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
میجر منیر احمد صاحب شہید
آپ مکرم خواجہ عبد القیوم صاحب آف جہلم کے فرزند تھے۔آپ سیالکوٹ میں 1927ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ جمیل دوسری جنگ عظیم میں شہید ہوئے اور چھوٹے بھائی کیپٹن محمد حبیب بھی مادر وطن کی خدمت میں وقف رہے۔ میجر منیر احمد لاہور کے محاذ پر مسلسل دو دن اور دو راتیں دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ 21 ستمبر کو گولہ باری تھمی تو آپ سے کہا گیا کہ آرام کر لیں۔ آپ عشاء کی نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو گولہ باری دوبارہ شروع ہو گئی جس میں آپ کو گولہ لگا اور آپ نے جام شہادت نوش کیا۔
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
بہادر احمدی غازیان
لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک
ہلال جرأت
جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ میں چونڈہ کے مقام میں لڑی گئی۔ جس کی فتح کا سہرا لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک کے سر ہے۔ ستمبر 1965ء میں عبدالعلی ملک کو فوج کی طرف سے حکم ملا کہ انڈین آرمی کا حملہ اتنا بڑا ہے کہ اس معمولی فوج کے ساتھ مقابلہ ممکن نہیں اسلئے پیچھے آ جاؤ۔ اس عظیم سپاہی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور بھارتی ٹینکوں کے ڈویژن ElephentBlack کو تباہ کر دیا۔ اس بہادری کے اعزاز میں انہیں "ہلال جرات" سے نوازا گیا۔
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
لیفٹیننٹ راشد عبداللہ شہید
آپ کا تعلق 25 پنجاب رجمنٹ سے تھا۔ آپ نے 30 مارچ 1971 کو راج شاہی سیکٹر مشرقی پاکستان میں باغیوں کے مقابلے میں جام شہادت نوش کیا
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
کیپٹن مجیب فقراللہ شہید
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
میجر جنرل افتخار جنجوعہ شہید
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
سکواڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین احمد صاحب شہید
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
بہادر احمدی غازیان
لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
میجر افضال محمود صاحب شہید
آپ 1976 میں پیدا ہوئے اور آپ نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے ایف ایس سی کی۔ شہادت کے بعد آپ کی تدفین ربوہ میں ہوئی۔ آپ مورخہ 19 جون 2009 کو اپنے جوانوں کو ساتھ لے کے پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کی پٹرولنگ کیلئے نکلے تو باجوڑ کے علاقے میں آپ کے قافلے پر حملہ کر دیا گیا۔ آپ سر پر گولی لگنے کی وجہ سے شہید ہو گئے۔
جماعت احمدیہ پاکستان

یوم دفاع وشہداء پاکستان
وطن عزیز کے لئے جان قربان کرنے والے بہادر احمدی سپوت
عبدالسلام صاحب شہید
آپ 1942ء میں ماسٹر محمد حسین صاحب کے ہاں چہار کوٹ مقبوضہ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ 1947 میں ہجرت کر کے مانسر کیمپ آئے۔ پھر جہلم آ گئے۔ آپ نے کھوئی رٹہ ضلع کوٹلی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور فوج میں ملازمت اختیار کی۔ 1971 کی جنگ میں آپ چھمب سیکٹر کے اگلے مورچوں میں بطور سپاہی سگنل کور میں ڈیوٹی دے رہے تھے کہ دشمن کی طرف سے ایک گولہ آ کر لگا جس میں پانچ ساتھیوں سمیت آپ بھی شہید ہو گئے۔

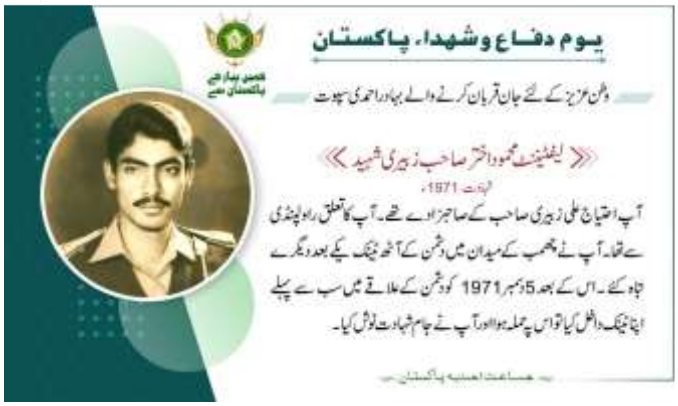

سنہ 2000 میں ناصر کاظمی سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اپریل 2001 میں شیخ صلاح الدین صاحب کی پہلی برسی پر ناصر کاظمی کے مکان پر ایک تعزیتی ریفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کے صدر راجہ غالب احمد اور مہمان خصوصی انتظار حسین صاحب تھے۔ اس تقریب کی ایک تصویر عزیز دوست تاثیر نقوی کے شکریہ کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں۔ (از فیس بک وال۔ ڈاکٹر ساجد علی صاحب)

نشستہ، دائیں ہاتھ سے۔ ساجد، غالب احمد، حسن کاظمی، جاوید اعوان، انتظار حسین
ایستادہ۔ پروفیسر انیس اکرام فطرت، پروفیسر محمود الحسن جعفری، تاثیر نقوی، ڈاکٹر اختر شمار، پروفیسر ندیم اسلم۔ شہریار

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار کآخر کنند دعویٰ حُبِ پیمبرم

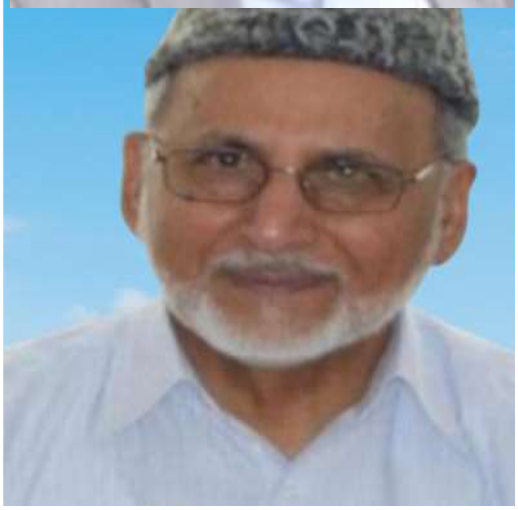

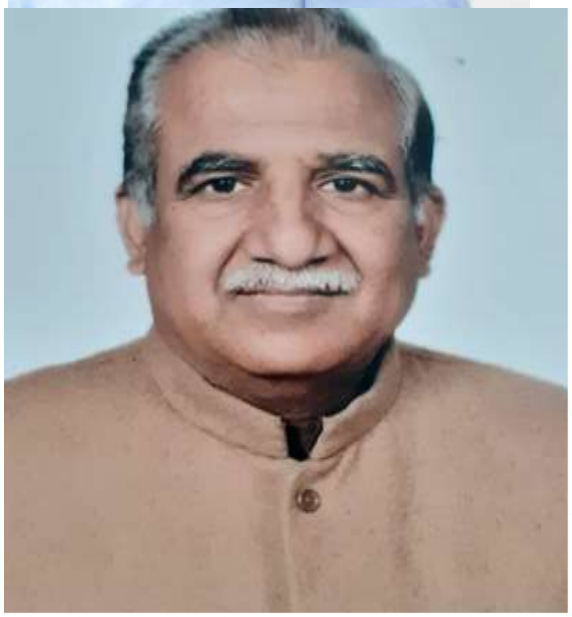

On chairs L to R: Tahir Ahmed Malik, Bashir Tariq (Gen Sec.), Prof Dr. S. M. Shahid Sahib (Inch union) Prof Ch. Muhammad Ali Sahib (Principal) Naseer Ahmed Chaudhry (President) Maqsood Ahmed, Laeeq Ahmed Abid
Standing L to R: Kaleem Ullah, Unknown, Habib Ullah Tariq- 1971

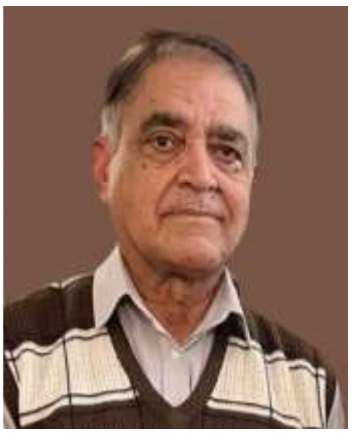

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

(از مکرم چیف سیّد معین شاہ صاحب۔لندن)

ہمارا گاؤں شاہ مسکین لاہور سے 40 کلو میٹر دُوری پر لاہور جڑانوالہ روڈ پر واقع ہے۔ ہمارے تمام بزرگان 1900 اور 1903 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔ شروع میں مخالفت بھی ہوئی۔ چند سال قبل ساتھ والے گاؤں کے ایک امام مسجد نے مخالفت کی وجہ سے IG پولیس کو خط لکھا کہ شاہ مسکین میں احمدیوں نے اپنا مدرسہ بنایا ہوا ہے جس پر قریبی تھانہ سے پولیس والے آئے مگر کچھ نہ مل سکا اور واپس گئے اور درخواست گزار کو پکڑ کر لے گئے کہ تم نے جھوٹ کہا تھا۔ رات مولوی نے تھانہ گزاری اور تقریباً ساٹھ ہزار روپے دیکر گھر آیا۔ اس نے دوبارہ درخواست دے دی۔ اس پر بچیکی کے DSP نے گاڑی بھیج کر میرے چچا کو لے گئے۔ جب گاؤں کے دوسرے غیر از جماعت احباب کو علم ہوا تو چند احباب ملکر بچیکی چلے گئے۔ پولیس کی کار ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر DSP صاحب دفتر سے باہر آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ ہم مبارک شاہ صاحب کی سپورٹ میں آئے ہیں اور آپ کو بتانا ہے کہ ہمارا مولوی بہت جھوٹا شخص ہے اور اس کا خط بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر میں مولوی صاحب بھی معہ دوسرے مولوی وہاں پہنچ گئے۔ آتے ہی انہوں نے بیان دیا کہ یہ درخواست انہوں نے نہیں دی بلکہ کوئی ان کا نام استعمال کر رہا ہے۔ اس پر پولیس آفیسر نے ان سے لکھوا کر سب کو گھر بھیج دیا۔ مبارک شاہ صاحب گئے رات گھر پہنچے۔ اگلے دن وہی غیر از جماعت گاؤں والے احباب، مکرم مبارک شاہ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کے یہ بے عزتی آپ کی نہیں بلکہ ہماری ہے اور ہم مولوی کے خلاف عدالت میں ہتک عزت کا کیس کرنے جا رہے ہیں اور آپ نے اب ہمارا ساتھ دینا ہے۔ اس پر مبارک صاحب کہنے لگے کہ مقدمہ میں نے تو کر دیا ہوا ہے اب آپ فیصلہ کا انتظار کریں۔ یہ سن کر غیر از جماعت حیران ہوئے کہ رات دیر سے آئے ہیں اور ابھی صبح کا وقت ہے یہ کیسے ممکن ہوا۔ مبارک صاحب نے پھر یہی کہا عدالت کا فیصلہ جلد آئیگا۔ اس پر وہ دوست اٹھ کر چلے گئے۔ اسی دن خدا تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا۔ اسی شام کو مخالف مولوی صاحب بیمار ہوئے اور رات تک ان کی وفات ہو گئی۔

(چیف سیّد معین شاہ صاحب، تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پروفیسر مکرم سیّد سلطان محمود شاہدؔ صاحب کے بھانجے ہیں)

ناصر جاوید ۔ بشیر جنجوعہ سیکریٹری ۔ پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب ۔ قاضی محمد اسلم صاحب ۔ عاصم صحرائی صدر یونین ۔ اسد اللہ
پیچھے کھڑے: لئیق عابد ۔ طاہر ملک ۔ کریم خالد ۔ داؤد منیر ۔ ناصر ۔ بشیر طارق (بشکریہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب)

خوش آمدید
To the
Mushhaira of
Mahdi-Abad
Ahmadiyya Muslim Jamaat
Mahdi Abad
Bait-ul-Baseer

Chaudhri Muhammad Zafrulla Khan

(Prof. Abdus Salaam)

Chaudhri Muhammad Zafrulla Khan was one of the greatest human beings I have had the privilege and good fortune of knowing in my life. I saw Chaudhri Sahib first in December 1933 on the occasion of the annual gathering. I was then around eight years old. I can still see him in my mind's eye as very handsome figure with a most impressive bearing. I believe the first occasion when he knew of me was when my father wrote to him in 1940 seeking his advice about my future career. He wrote in reply that he would pray for me and he offered three pieces of advice. First, that I should look after my health; health was the basis of all achievement. Second, in respect of studies, he advised that whatever lectures in the classroom were due for tomorrow, I should prepare for them the day before. And whatever I learned today, I should revise the same day so that it became forever part of me. Third, I should broaden my mind; in particular, whenever I got theopportunity to make an educational j ourney — or even a j ourney for pleasure —I should take it, for journeying to new places was conducive to a broadening of one's range of interests.

My first personal contact with Chaudhri Sahib came in October 1946, when I sailed to the UK to join Cambridge University for studies. Our boat — the P.&O. Franconia — docked at Liverpool. It was a cold and misty morning. Chaudhri Sahib had come to the dockside to meet his nephew who was also travelling on the "Franconia". Chaudhri Sahib was at that time an Indian Federal judge. When we got down from the boat, our heavy cases — my mathematics books which I had packed —• were lying around in the customs shed. There were few porters due to post-war conditions. Chaudhri Zafrulla Khan said to me, "Take hold of the case from one side and I will take it from the other and we shall carry it to the waiting boat train." This was an amazing reception for a humble student, who had never before encountered such gracious unselfconsciousness on the part of a personage so highly placed. We travelled together to London. During the journey he kept pointing out the beauties of the English countryside, of which he was inordinately fond. The weather was very cold. Seeing me shiver, he kindly gave me one of his (enormously heavy) winter coats. This, in spite of 40

years of use, still survives in the family.

I met him again in 1951 when he was Foreign Minister of Pakistan and came to the Princeton Institute for Advanced Study where I was a fellow. I spent two days in his company. He was then attending the General Assembly of the United Nations. With him I had the privilege of visiting some of the

historical places on the East Coast. Fresh from his duels at the United Nations forum, fought with highest ranking adversaries, on behalf of the Palestine Arabs, Libya, Morocco and for Kashmir, my major recollection of him is of someone who would not suffer fools gladly. But I really got to know him after 1973 when he came to live at the London Mosque after his retirement from the Presidentship of the International Court of Justice. He was gracious enough to accept to come to my house at Campion Road, nearby, for Sunday breakfasts whenever I was in London. It could be breakfast only because his day, which he spent working on his translation of the Holy Book or Books of the Hadith and the like, started regularly at 9 a.m. every day including Sundays and could not be interrupted. These breakfasts were memorable occasions when sometimes we would go over some of the episodes in his life which are so beautifully described in his

books, particularly his last book, "Servant of God". But the book does not convey the details which he would narrate to us. For example, he tells the story on pages 67-69 of his encounter with **Mr. Churchill,** but he omits the earlier parts of this story when **Mr. Churchill** was cross-examined by Sardar Boota Singh of the Indian Party and the hilarity of that examination. Even so, I shall quote here the story as he tells it in the book to convey some of the wonderful flavour of his narration:

"The public sittings of the Joint Select Committee commenced in the spring of 1933. A large variety of witnesses, Indian and British representing a diversity of interests and views was examined by the Committee. Participation in the proceedings of the Committee proved a very instructive experience. The most outstanding witness who appeared before the Committee was **Mr. (later Sir) Winston Churchill**. His examination extended over four days. He was firmly opposed to the proposals contained in the White Paper. He condemned them lock, stock and barrel. He looked upon them as a betrayal of its trust by Britain. The barrage of questions directed at him failed to move him a single inch from his stand. His eyes twinkled, he wore a smile, he waved his cigar, he was all courtesy and urbanity, but he was utterly unyielding. His questioners could win nothing from him. He held his own against all comers. "Having watched the drama for a whole day, the Punjab Muslim Delegate felt that it would serve no useful purpose to cross-examine so formidable an adversary as **Mr. Churchill.**

On the morning of the second day the Secretary of State accosted him before the meeting was called to order and enquired: "Do you intend to put any question to **Mr. Churchill**?" "No Sir. I consider it would be a profitless exercise." "Well, he is our cleverest debater in the House, and it is no use trying to catch him out on his previous speeches in which he supported Dominion Status for India. You have seen how he gets out of them. Yes, Dominion Status, but status is one thing and function is quite another. India already has Dominion Status. It sent a delegation to the Paris Peace Conference, it is a signatory of the Treaty of Versailles, it is a member of the League of Nations. That is status. But it is not yet ready to function as a Dominion! He thinks India is still what it was when he was serving as a subaltern at Bangalore."

"(The Muslim delegate) thought over it. His turn came an hour before the close of the afternoon sitting of the Committee. His attitude was deferential, his tone respectful, bordering almost on the apologetic, with a slight touch of deference. Mr. Churchill was cautious, but made a reluctant concession

here, a grudging admission there, hedged round with ifs and buts and provideds. When he perceived that he was letting himself be persuaded to yield ground, he began to evade the question put to him, so that it had to be reframed with great care. On one occasion he slipped out of answering the question in one direction, and when the question was carefully rephrased he slipped out in another direction. The questioner's tone became even more bland, almost humble: **Mr. Churchill** I beg to be forgiven. I am under a disadvantage. English is not my mother tongue. I have twice failed to make my meaning clear. Will you permit me to try once more? The response was gracious: Please, please. The question was put a third time in a shape that did not admit of evasion. Thereafter both the examiner and the witness became more alert. The Committee adjourned.

The examination was resumed next morning and continued for another hour. When the questioner concluded with an expression of thanks to the eminent witness, the witness went on record with: My Lord Chairman, may I be permitted to say that I have not noticed that Mr. Zafrulla Khan suffers any disadvantage from lack of knowledge of the English language? "When at the end of the fourth day his examination was completed, the cheers of The Committee had the quality of an ovation. **(Mr. Churchill)** rose from his seat, came over to his Muslim interrogator, shook him by the hand

and growled: You have given me the two most difficult hours before the Committee. The questioner acknowledged the growl as if it were an accolade and a token of friendship and so it proved. In subsequent meetings the great Prime Minister would every time present him with a volume of his letters or speeches, and the inscriptions beginning with: Inscribed for Zafrulla Khan, **W. S. Churchill;** went on mounting the scale; To Zafrulla Khan, from **W. S. Churchill;** To Zafrulla from his friend **W. S. Churchill**. Magnanimity was not the least among the many great qualities of the great Prime Minister."

The amazing thing was that Chaudhri Sahib's memory was faultless, not only about persons, but also about dates and even times of day for matters which had occurred 50 or 60 years earlier. I also recall with great fondness the narration of his United Nations fights with Big Powers for independence of Libya, Morocco, Tunisia and Algeria (described on pages 179-182 of "Servant of God"); likewise, the heart-warming story of his pilgrimmage to Mecca, when he was King Faisal's personal guest, narrated on pages 279-286, was repeated on our request many times. In the retelling of all these incidents in his life, what came across strongly was the greatness of his spirit, his intense love —• bordering on near-veneration — for the Prophet

of Islam, and his own complete reliance on Allah and His divine Will. Also manifest was his love of Persian poetry, particularly the mystical verse of Rumi in his Diwan-e-Shams-Tabriz which he could recite without effort from memory.

Regarding his love for the Prophet, let me tell a story. Chaudhri Zafrulla Khan was taken ill with a back-ache and was confined to bed in a hospital in Wardsworth. I visited him in hospital. I took to him Shamail-i-Tirmizi, written by Imam Tirmizi, which describes the Holy Prophet's daily life, his looks, what he wore, his daily preoccupations, his family and public life. I said I hoped that sometime in the future, if Allah decrees, I would translate this book into English. I left it with him and went away to Trieste. I came back about a couple of months later and went to see him at his residence. He presented me with a copy of a translation of Tirmizi into English, already completed and printed during these two months, with a gracious dedication to me. I was astonished at the speed with which he had worked. I mildly protested; I had wished to translate this book myself for my "ghufran". He said "You may not have found time in the immediate future. So I thought while I was in hospital, this was the most rewarding use of my time." I have earlier said that he was generous — almost to a fault — to those in need. The story may not be well known, but after retirement, he dedicated all his life's savings to charitable purposes. A large part was spent in rebuilding the living quarters for the Imam next to the London Mosque as well as towards building the Mahmud Hall. The rest — of the order of half a million dollars — he spent in setting up a charitable Foundation, the Southfields Trust, to help the needy and for educational purposes. One Sunday when he honoured us with coming for breakfast, my brother protested with him on his generally neglecting own personal needs. He said he had asked his yearly pension (of around $32,000 a year) to be deposited straight into the bank account of the Foundation he had created — the Southfields Trust. He did not keep any part of his pension. But he had an agreement with the Trust that it would pay him seven pounds a week for life's necessities and once a year the Trust would permit him an economy fare to Pakistan to attend the annual gathering. He then added, "I know, through Allah's grace, I am a good advocate, but one judicial case I always lose. That is, whenever I plead to myself for myself."

He had such a love for Islam, such a "ghairat" for its honour that one could not come away from his company without being fired with his spirit. It is well-known that he spent the last years of his life occupied in translating the Holy Quran together with twenty volumes of Hadith as well as the words of

the Founder of the Community, creating single-handedly a veritable one-man Library of Islam in the English language. As he says himself, "Gradually, over the years, the consciousness of God as an experienced reality rather than as a merely believed phenomenon, was strengthened". His love for his long-departed mother and the lessons he had learnt from her were often repeated for us. In his book, on page 297, he quotes her as saying, "It is no virtue to be kind to someone we like; virtue is to be kind to those we do not like"; and then, "A friendship is for ever, else it is no friendship at all". His own oft-repeated saying used to be: "Call to mind when your Lord declared: If you will employ My bounties beneficiently, I will surely multiply them unto you; but if you misuse or neglect them, My punishment is severe indeed". (14:8)

I can not do better than close this note by quoting from the moving end of his book "Servant of God" when he speaks about himself. "His career as a public servant came to an end with the expiry of his second term on the International Court of Justice. He was called to the Bar at the age of twentyone, practised as a lawyer for twenty-one years, held executive office in Indiaand Pakistan for fourteen years, was a Judge, national and international, for twenty-one years, and a diplomat for three years. He has worn many hats, but the one he now wears is the most honorific of all, and brings him the greatest satisfaction. He is now wholly the servant of God, for which honour all praise is due to God. His one care and concern is that his Gracious Master may be pleased with him, and may continue to afford him, for such time as He may, of His grace and mercy, grant him here below, opportunities of serving Him and His creatures, and bestow upon him the strength and ability to perform that service in a manner acceptable to Him. Of his own he has nothing to devote to His service; life, faculties, capacities, means, relations, friends are all His gifts. He supplicates for wisdom and strength to employ all his gifts in His service, to the winning of His pleasure, to the true service of his fellow beings. For himself he only seeks fulfilment in his Gracious Maker, Creator and Master. He hopes for His mercy, His forgiveness, His forbearance. May He continue to cover up all his numberless faults, defaults, shortcomings, vices, sins, disobediences and transgressions under the mantle of His mercy, and safeguard him against humiliation here and hereafter. May He wash him clean of all impurities so that death, when He is pleased to send it, may prove to be a gentle transition from illusion to reality, from faith to fulfilment and utter submission. Amen. All praise belongs to Allah.

ناصر جاوید ۔ بشیر جنجوعہ سیکریٹری ۔ پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب ۔ قاضی محمد اسلم صاحب ۔ عاصم صحرائی صدر یونین ۔ اسد اللہ
پیچھے کھڑے: لئیق عابد ۔ طاہر ملک ۔ کریم خالد ۔ داؤد منیر ۔ ناصر ۔ بشیر طارق (بشکریہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب)

اس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سود ہے
اک تیری قیدِ محبت ہے جو کر دے رَستگار

کیا پاکستان کا قیام انگریزوں کی سازش تھا؟

(از الم نگار۔بشکریہ "ہم سب" 22تا29 دسمبر2022)

بحیثیت قوم ہم حقائق کی بجائے سنسنی خیز خبروں اور دعووں کو پسند کرتے ہیں۔اور تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے وقت بھی یہی رویہ غالب رہتا ہے۔آج سے کئی دہائیاں قبل خان عبد الولی خان صاحب نے ایک کتاب Facts are Facts لکھی اور اس میں یہ دعویٰ کیا کہ پاکستان کا قیام اصل میں انگریز حکمرانوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔اور اس سلسلہ میں انہوں نے 1940 میں وائسرائے لنلتھگو اور برطانوی وزیر برائے ہندوستان لارڈ زیٹلینڈ کی خط وکتابت کا حوالہ دیا تھا۔

انہوں نے اس کتاب میں یہ دعویٰ پیش کیا تھا کہ جب 1940 میں ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں جو تجاویز پیش کی جارہی ہیں،ان سے انگریز حکمرانوں کو اپنے مقاصد حاصل نہیں ہورہے تو انہوں نے اپنے اغراض اور مقاصد کے پیش نظر تقسیم ہند کی تجویز تیار کروائی۔اس وقت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وائسرائے کونسل کے ممبر تھے۔انہوں نے یہ تجویز ایک میمورنڈم کی صورت میں تیار کی۔یہ میمورنڈم قائداعظم محمد علی جناح کو بھجوایا گیا۔اور یہ تجویز مارچ1940 میں لاہور میں ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قرارداد لاہور کی صورت میں منظور گئی اور اس طرح تقسیم ہندوستان کا مطالبہ سامنے آیا۔

اس کتاب میں خان عبد الولی خان صاحب اس نکتے پر زور دیتے رہے کہ قرارداد لاہور کے بعد انگریز حکمران صرف مسلم لیگ اور قائداعظم کی پشت پناہی کررہے تھے اور مسلمانوں کے اس گروہ کو جو تقسیم ہندوستان کا مخالف تھا نظر انداز کیا جارہا تھا۔وہ لکھتے ہیں:۔

When the Muslim League accepted the Viceroy 's proposal (author Sir Zafarullah) the British were convinced of their dependability- It was natural, then, for the British to refuse to recognize the existence of any party other than the Muslim League-

ترجمہ:جب مسلم لیگ نے وائسرائے کی تجویز قبول کرلی[جس کے مصنف سر ظفر اللہ تھے]برطانوی حکومت انہیں قابل اعتماد سمجھنے لگی اور قدرتی طور پر اس کے بعد برطانوی حکومت نے ان کے علاوہ کسی اور جماعت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔پھر وہ تحریر کرتے ہیں:۔

The British deliberately ignored those Muslims, who, along with the Congress were struggling for freedom- Their very faith was called, “questionable “

ترجمہ:برطانوی حکومت نے جان بوجھ کر ان مسلمانوں کو نظر انداز کیا جو کہ کانگرس ساتھ مل کر اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور ان کے عقیدہ پر سوال اٹھائے جارہے تھے۔اس کے بعد خان عبد الولی خان صاحب یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں:۔

“The British were trying to make it very clear to every Indian Muslim that except Jinnah and the Muslim League, they were not ready to

accept any other party- To gain British support, the Muslims were obliged to join the Muslim League- Earlier ‹the British had severed relations with the Congress because they were not prepared to assist them in the war against Germany”

ترجمہ: برطانوی حکومت ہندوستانی مسلمانوں پر اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ جناح اور مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور جماعت کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور برطانوی حمایت حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے پر آمادہ کیا جا رہا تھا۔ اس سے قبل برطانوی حکومت نے کانگرس سے تعلقات ختم کر دیے تھے کیونکہ وہ جرمنی کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس کتاب میں خان عبد الولی خان صاحب نے یہ دعویٰ پیش کیا تھا کہ پاکستان بنانے یا تقسیم ہند کی تجویز اصل میں انگریزوں نے تیار کروائی تھی اور یہ ظالم برطانوی حکومت ہی تھی جو کہ مسلم لیگ اور ان کے قائد محمد علی جناح کی سرپرستی کر رہی تھی۔ اور ان کی مہربانیوں سے یہ تحریک پروان چڑھی اور مسلمانوں کے دوسرے گروہ نظر انداز کر دیے گئے۔

24 ستمبر 2019 کو 'ہم سب' پر ایک کالم 'پاکستان انگریزوں کی سازش نہیں سے بنا تھا" شائع ہوا تھا۔ اس کالم میں برطانوی وزیر برائے ہندوستان لارڈ زیٹلینڈ کے جوابی خط کے حوالے پیش کیے گئے تھے۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ تقسیم ہند کی تجویز یا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا میمورنڈم جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی، وہ برطانوی حکمرانوں کے رائے کے مطابق نہیں تھی اور وہ اس تجویز کے مخالف تھے۔ ان حوالوں کو اس کالم میں دہرایا نہیں جائے گا۔

لیکن خان عبد الولی خان صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ برطانوی حکمران مسلسل مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اس دور میں برطانوی وزیر برائے ہندوستان نے جو خطوط وائسرائے لنلتھگو کو لکھے تھے، وہ برٹش لائبریری لندن کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ چند روز قبل خاکسار نے ان کا ریکارڈ حاصل کیا تھا۔ آئندہ چند کالموں میں اپریل 1940 سے لے کر دسمبر 1940 تک کے خطوط کی روشنی میں خان عبد الولی خان صاحب کے پیش کردہ انکشافات کا تجزیہ کیا جائے گا۔

ان حالات کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اپریل 1940 میں یورپ میں ایک خوفناک جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ہٹلر کی فوجیں ناروے میں اترنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس وجہ سے برطانیہ میں ایک شدید تناؤ کی کیفیت موجود تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ اس نازک موڑ پر برطانوی حکومت کی ترجیحات میں ہندوستان کو تقسیم کرنے یا پاکستان بنانے کی تجویز شامل ہو۔ اس مرحلہ پر برطانوی حکومت کی نظر میں مسلم لیگ کی طرف سے کوئی نیا مطالبہ کیا حیثیت رکھ سکتا تھا؟ اس کے بارے میں 12 اپریل 1940 کے خط میں زیٹلینڈ وائسرائے کو لکھتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا ایک میمورنڈم بھجوا رہا ہوں جو کہ ہندوستان کے بارے میں کابینہ میں پیش کیا گیا تھا۔ پھر وہ لکھتے ہیں

I agree however the situation has undergone very considerable change in view particularly of which has now been taken by The All India Muslim League; and at the meeting of the War cabinet this morning I said that I was satisfied that the present time was not the suitable one at

which to make any constructive proposal.

ترجمہ: تاہم میں اس بات سے متفق ہوں کہ خاص طور پر آل انڈیا مسلم لیگ نے جو پالیسی اپنائی ہے اس کے پیش نظر صورت حال بنیادی طور پر تبدیل ہو چکی ہے۔ اور میں نے جنگی کابینہ کے اجلاس میں نے یہ کہا تھا کہ میرے نزدیک یہ وقت کوئی تعمیری تجویز پیش کرنے کے لئے مناسب نہیں ہے۔

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تقسیم ہند کی تجویز برطانوی حکمرانوں کے ایما پر پیش نہیں کی گئی تھی اور ان کے نزدیک جنگی حالات کی وجہ سے یہ وقت اس قسم کے نئے مطالبات کے لئے کوئی مناسب وقت بھی نہیں تھا۔ اور اس خط ہی سے یہ بات بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ قرارداد لاہور کے بعد انگریز حکمرانوں نے مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور مسلمان لیڈر سے رابطہ کرنا بند کر دیا تھا کیونکہ اسی خط میں برطانوی وزیر برائے ہندوستان نے آغا خان سوئم اور فیروز خان نون صاحب سے تفصیلی ملاقاتوں اور مشوروں کا ذکر کیا ہے۔ اور خاص طور پر آغا خان سوئم کی رائے کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ دونوں لیڈر اس وقت مسلم لیگ سے منسلک نہیں تھے۔

اس تمہید کے بعد اگلی چند تحریروں میں ہم یہ تفصیلی جائزہ لیں گے کہ پاکستان کے مطالبہ اور بانی پاکستان کے بارے میں برطانوی حکمران کن آراء کا اظہار کر رہے تھے۔ اور اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے کہ کیا خان عبد الولی خان صاحب نے اپنی کتاب میں درست حقائق پیش کیے تھے؟

قسط دوئم

گزشتہ قسط میں مرحوم خان عبد الولی خان صاحب کے اس دعوے کا ذکر کیا گیا تھا کہ قیام پاکستان کی تجویز برطانوی حکمرانوں کی طرف سے پیش کرائی گئی تھی اور اس کے بعد انگریز حکمران مسلسل اس تحریک کی، مسلم لیگ کی اور قائد اعظم کی سرپرستی کرتے رہے۔ اور اس سرپرستی میں پاکستان وجود میں آیا۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں خان عبد الولی خان صاحب اس خط و کتابت کا حوالہ دیا تھا جو کہ اس وقت کے وائسرائے لنلتھگو اور وزیر برائے ہندوستان زیٹلینڈ کے درمیان ہوئی تھی۔ ہم اسی خط و کتابت کی روشنی میں ان دعووں کی حقیقت جاننے کی کوشش کریں گے۔ یہ ریکارڈ برٹش لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

قرارداد لاہور کے ایک ماہ بعد 24 اپریل 1940 کو وزیر برائے ہندوستان زیٹلینڈ نے وائسرائے کو جو خط لکھا اس میں مسلم لیگ کے مطالبے کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

"یقینی طور پر میں آپ کی یہ پریشانی سمجھ سکتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات نہ کہوں جو جناح کو ناراض کرے۔ لیکن حقیقت میں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں اس سے کم کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد کی حیثیت انتہائی مایوسی کی حالت میں کیے جانے والے فیصلے کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کے باوجود میں نے جو کچھ کہا اس کی ہندوستان میں اس لئے مذمت کی گئی کیونکہ مذمت کرنے والوں کے نزدیک یہ اس سکیم کی نیم دلانہ مذمت تھی جس پر ہندوستان کے غیر مسلم حقارت سے ہنس رہے ہیں۔ اور راجر لیملے کے مطابق اس تجویز کے نتیجہ میں مسلمانوں سمیت ہندوستان کے تمام مذاہب سے وابستہ لوگوں کو

شدید ذہنی دھچکا لگا ہے۔ اس تجویز نے دوسری اقلیتوں کی جانب سے ملنے والی حمایت کو بھی ختم کر دیا ہے اور یہ گروہ اب کانگرس کی طرف رجوع کریں گے۔

مجھے امید ہے کہ میں نے چند روز پہلے ٹیلیگرام کے ذریعہ جناح کے لئے جو شرائط بھجوائی تھیں وہ اسے خاموش رکھنے کے لئے کافی ہوں گی لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ایسا ہی ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے حال میں جو رویہ اپنایا ہے اس سے میرے ان خدشات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا اظہار میں نے گزشتہ موسم گرما میں کیا تھا۔ آپ پر بھی اب یہ حقیقت آشکار ہو گئی ہو گی کہ ہم ہندوستان میں جس طرح کی فیڈریشن بنانے کی امید کر رہے تھے، مسلمان اس کے راستہ میں سب سے خطرناک رکاوٹ بن گئے ہیں۔"

برطانوی وزیر کے الفاظ اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے لئے انہوں نے جو بھی منصوبے بنائے تھے، قرارداد لاہور کے بعد مسلم لیگ ان منصوبوں کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی تھی۔ اور وزیر صاحب اس بات پر لال پیلے ہو رہے تھے۔ اور قائداعظم کی سرپرستی کرنا تو دور کی بات ہے۔ اعلیٰ سطح پر برطانوی حکومت اس الجھن میں مبتلا تھی کہ انہیں کس طرح خاموش رہنے پر مجبور کیا جائے۔

اسی خط میں زیٹلینڈ ان الفاظ میں اپنی پریشانی کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا:۔

"ہندوؤں کی ہندوستان سے باہر کوئی وابستگیاں نہیں ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کی دعوت سرحدوں کو عبور کرتی ہے۔ اگرچہ جب سے مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کو ختم کیا ہے، یہ اثر بڑی حد تک ختم ہو گیا ہے لیکن ابھی بھی اس میں کافی دم موجود ہے۔ مثال کے طور پر جناح ہم سے یہ شرط منوانے کی کوشش کر رہا ہے کہ ہندوستان کی افواج کو کبھی کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ مسلسل فلسطین کے عربوں کی حمایت کرتا رہا ہے:۔

میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر آل انڈیا مسلم لیگ کے مطالبہ کے مطابق مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست وجود میں آجاتی ہے تو شاید مستقبل میں یہ ریاست کسی اسلامی کامن ویلتھ کا حصہ بن جائے۔ خاص طور پر ہندوستان کے شمال مشرق میں اگر یہ مسلمان ریاست وجود میں آئی تو یہ ریاست مغرب میں شمالی افریقہ اور ترکی اور مشرق میں افغانستان کے مسلمان علاقوں سے جغرافیائی طور پر جڑی ہو گی۔"

جب ہم ان خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ برطانوی حکومت کے وزیر مسلسل قائداعظم اور قرارداد لاہور کے بارے میں نہ صرف سخت بلکہ نامناسب الفاظ میں اپنی تلملاہٹ کا اظہار کر رہے تھے، مثال کے طور پر 9 مئی کو انہی وزیر صاحب نے وائسرائے کے نام اپنے خط میں قائداعظم کے بارے میں لکھا:۔

"لاہور کے اجلاس میں اسے جس قسم کی شراب پیش کی گئی ہے اس کا مزاج اس طرح کی سر کو چڑھنے والی شراب کے خمار کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ شخص ہندوستان میں متحارب گروہوں کو قریب لانے میں کسی قسم کی مدد نہیں کرے گا۔"

ان دنوں میں نواب بہادر یار جنگ ریاستوں میں مسلم لیگ کے لئے کافی کام کر رہے تھے 9 مئی کے اسی خط میں وزیر صاحب نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نواب بہادر یار جنگ نے یہ کوششیں کی تھیں کہ لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں دوسرے مسلمان ممالک سے مندوبین بھی شامل ہوں۔ اس خط کے ایک روز بعد برطانیہ کی حکومت تبدیل ہو گئی اور چیمبرلین کی جگہ چرچل وزیر اعظم بن گئے اور اس کے ساتھ کابینہ کے وزراء بھی تبدیل ہوئے۔ اور زیٹلینڈ کی جگہ ایمرے (Amrey) نے ہندوستان کے امور کی وزارت کا قلمدان سنبھال لیا۔

ان تاریخی حقائق کے پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت کی تبدیلی کے ساتھ مسلم لیگ اور قائد اعظم کے بارے میں برطانوی حکومت کے رویہ میں کوئی تبدیلی آئی کہ نہیں؟ ظاہر ہے کہ اپنے پیش رو کی طرح ایمرے بھی باقاعدگی سے وائسرائے ہند کو خطوط لکھتے تھے جو کہ برٹش لائیبریری لندن میں محفوظ ہیں۔ ان کا مطالعہ ہمیں اس سوال کا جواب ڈھونڈنے میں مدد کرے گا۔

16 ستمبر 1940 کو نئے وزیر صاحب نے وائسرائے ہند کے نام اپنے خط میں لکھا:

"آپ کی ٹیلیگرام سے میرے ذہن میں جناح کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمانوں کے نظریات کی ترجمانی کرنے اور مشترکہ مفادات کے لئے کام کرنے کی بجائے مسلم لیگ میں اپنی پوزیشن مضبوط کر رہا ہے۔ کیا آپ اس بات کو سمجھ سکے ہیں کہ پاکستان کی سکیم سے اس کی کیا مراد ہے؟ میرے نزدیک ہندوستان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں توڑ دینا سب سے زیادہ تباہ کن حل ہوگا اور اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی ترقی کی تمام امیدیں ختم ہو جائیں گی۔"

اس کے بعد اس خط میں وزیر موصوف تحریر کرتے ہیں کہ ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی براہ راست منتخب ہونے کی بجائے صوبوں اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوں۔ اور اگر آئندہ سے صوبوں کا نام سٹیٹ رکھا جائے اور ہندوستان ایک کنفیڈریشن کی صورت میں متحد رہے تو ہو سکتا ہے مسلمان اس کو تسلیم کر لیں۔ اس خط کے آخر میں ایک نوٹ تحریر کیا گیا تھا جس میں لکھا تھا کہ گاندھی کی یہ کوشش ہے کہ وہ کانگرس پر اپنا کنٹرول برقرار رکھیں اور کانگرس متحد بھی رہے۔ اور یہ تاثر دیا جائے کہ کانگرس حکومت کی مخالفت کر رہی ہے لیکن اس احتیاط سے کہ حکومت سے تعلقات منقطع بھی نہ ہوں۔

ممکن ہے بعض لوگ وزیر صاحب بہادر کے خیالات سے اتفاق کریں اور دوسرا گروہ ان خیالات کو ان صاحب کے ذہنی تکبر کا نتیجہ قرار دیں۔ یہاں پر یہ بحث نہیں کی جا رہی کہ ان کے یہ افکار درست تھے یا غلط۔ البتہ مجھے اس بات پر حیرت ضرور ہے کہ جیسا کہ خان عبد الولی خان صاحب نے اپنی کتاب Facts are Facts میں تحریر فرمایا ہے، اس کتاب کی تصنیف سے قبل انہوں نے برٹش لائبریری لندن میں اس ریکارڈ کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے باوجود ان خطوط کی بنیاد پر انہوں نے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر لیا کہ انگریزوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر پہلے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے ایک میمورنڈم لکھوایا اور پھر مسلم لیگ سے یہ مطالبہ کروایا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم کی جائے:۔

اور اس مقصد کے لئے مسلم لیگ اور قائد اعظم نے جو تحریک چلائی وہ برطانوی حکومت کی سرپرستی اور ظل حمایت میں چلائی گئی

تھی۔ان خطوط کے مطالعہ سے بالکل برعکس حقائق سامنے آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی حکومت تقسیم ہند کی اس تجویز کی سخت مخالف تھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا علیحدہ ملک ان کے مفادات کے خلاف ہو گا۔ان کی بھرپور کوشش تھی کہ جیسا کہ کانگرس اور نیشنلسٹ مسلمانوں کا مطالبہ تھا،ہندوستان ایک متحدہ ملک کی صورت میں موجود رہے:۔

ان خطوط میں اگرچہ گاہے گاہے گاندھی جی اور پنڈت نہرو پر بھی تنقید کی گئی ہے لیکن جس دشنام طرازی کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح پر دانت پیس پیس کر اظہار ناراضگی کیا گیا ہے اس سختی سے کسی اور شخصیت کا ذکر نہیں کیا گیا۔اگلی قسط میں ہم اس تجزیہ کو مزید آگے بڑھا کر یہ دیکھیں گے کہ اگلے چند ماہ میں ایمرے صاحب نے تحریک پاکستان کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کرتے رہے۔

قسط سوئم

گزشتہ دو قسطوں میں یہ جائزہ لیا گیا تھا کہ جب آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے مختلف ممالک کی صورت میں آزاد کرنا چاہیے تو اس پر برطانوی حکمرانوں کا کیا ردعمل تھا؟ اس تجزیہ کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ ہر کچھ عرصہ بعد کسی نہ کسی طرف سے یہ دعویٰ سامنے آتا ہے کہ انگریزوں نے سازش کر کے ہندوستان کو تقسیم کروایا اور اس تقسیم سے وہ اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہم خان عبدالولی خان صاحب کی کتاب کا حوالہ پیش کر چکے ہیں۔

اسی طرح 18 ستمبر 2019 کو "ہم سب" پر پیر صاحب پگاڑا کا ایک پرانا انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے یہ دعویٰ پیش کیا تھا کہ ولی خان صاحب نے اس بات کے تحریری ثبوت ضیاء الحق صاحب کو دکھا کر انہیں خاموش کر دیا تھا۔ اور انگریز حکمران لوگوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی علیحدہ ریاست بنانے کا فیصلہ 1940 کی قرارداد سے بھی بہت پہلے کر لیا تھا۔ اور وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے یہ بات سکندر حیات صاحب کو بتائی تھی کہ انگریز مسلمانوں کی خدمات سے خوش ہو کر مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملک دینا چاہتے ہیں۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ولی خان صاحب نے اس بات کے ثبوت کے طور پر اس خط و کتاب کا حوالہ دیا تھا جو 1940 میں برطانوی وزیر برائے ہندوستان اور وائسرائے ہندوستان کے درمیان ہوئی تھی۔ پہلی بات یہ کہ چرچل قرارداد پاکستان کے بعد وزیر اعظم بنے تھے اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کو اس بارے میں کوئی یقین دہانی نہیں کرا سکتے تھے کیونکہ اس سے قبل گیارہ سال انہوں نے سیاسی تنہائی میں گزارے تھے، جس کے دوران ان کی پارٹی کے اکثر لیڈر بھی ان کے خلاف تھے۔

ہم نے گزشتہ دو اقساط میں اس خط و کتابت کا جائزہ لیا تھا جو قرارداد پاکستان کے بعد وزیر برائے ہندوستان اور وائسرائے کے درمیان ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت برطانوی حکومت مسلم لیگ اور تقسیم ہند کے سخت مخالف

تھی اور خاص طور پر قائد اعظم محمد علی جناح سے انہیں خدا واسطے کا بیر تھا۔اس قسط میں بھی ہم اسی تجزیہ کو آگے بڑھائیں گے۔

20 ستمبر 1940 کو برطانوی وزیر برائے ہندوستان ایمرے نے وائسرائے کو لکھا:۔

"ریکارڈ کو پڑھنے کے بعد میں جس شخص کو پسند نہیں کرتا وہ شخص جناح ہے۔اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ کیوں اینی اور مونجے جیسے لوگ اس کے گرفت کرنے کے طریقوں کو پسند نہیں کرتے۔میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ آپ اینی اور مہاسبھا کے متعلق یقین دہانی کرلیں خواہ اس کے لئے جناح کے ساتھ کافی سخت رویہ اپنانا پڑے۔

جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے تو میں نے گاندھی کی تقریر پڑھ لی ہے۔میرا تاثر یہ ہے کہ وہ حکومت کے بارے میں کوئی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتا لیکن اس کی یہ خواہش بھی ہے کہ حکومت سے کھلم کھلا جنگ نہ ہو۔اس کی خواہش ہے کہ کانگرس متحد رہے اور کانگرس کی قیادت اس کے ہاتھ میں رہے اور دکھاوے کی اتنی جنگ ہوتی رہے جو کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کافی ہو۔"

اسکے بعد وہ وائسرائے کو لکھتے کہ بہتر ہوگا کہ آپ گاندھی سے کسی موقف پر اتفاق کرلیں اور گاندھی کانگرس کو اس کی اطلاع کر دیں تاکہ جب آپ کو ضرورت ہو اور حدود سے تجاوز ہو رہا ہو تو اس وقت گاندھی آپ کی پشت پناہی کر سکیں۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس خط میں وزیر صاحب نے نے یہ ذکر کیا تھا کہ گاندھی جی حکومت سے صرف Sham Fight (جھوٹ موٹ کی لڑائی) چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ان خطوط میں قائد اعظم کے متعلق عامیانہ زبانہ استعمال کرتے ہوئے منفی تبصروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔30 ستمبر کو وزیر صاحب نے اپنے خط کے آغاز میں لکھا:۔

So the miserable Jinnah has run out.

یعنی بیچارا جناح بھاگ چکا ہے۔اور پھر لکھتے ہیں کہ جب میں نے آپ کی جناح سے ملاقات کی رپورٹ پڑھی تھی تو میرا خیال تھا کہ ایسا ہی ہو گا اور لکھا کہ جناح کے متعلق میرا خیال ہے کہ خود پسندی (Vanity) اس شخص کو کھا چکی ہے۔اس کے بعد وزیر صاحب نے مسلم لیگ اور کانگرس کے بارے میں اپنا تجزیہ ان الفاظ میں بیان گیا:۔

"جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے کہ اس میں نہرو جیسے لوگ موجود ہیں جو واقعی ہم سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں۔اور اگر گاندھی ان کا ساتھ دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کانگرس میں اختلاف کو پسند نہیں کرتا۔مسلم لیگ کے متعلق میرا خیال ہے کہ اگر جناح انہیں ایسا کرنے دے تو اس کے ممبران کی بڑی تعداد جلد ہمارے ساتھ تعاون کرے گی۔لیکن وہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ ان کے سیاسی حامیوں پر جناح کی گرفت مضبوط ہے۔اگر اتنے فاصلے کے باوجود میرا اندازہ درست ہے تو ہمیں لیگ کے فیصلے باوجود اپنے مطلب کے بہت سے اچھے مسلمان نمائندے مل جائیں گے۔"

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ صرف قائد اعظم محمد علی جناح کی شخصیت ان کے راستے میں حائل تھی، ورنہ وہ بہت سے مسلمان سیاستدانوں کو اپنے لئے استعمال کر سکتے تھے۔اور ان کے نزدیک گاندھی جی کی نسبت جواہر لال نہرو صاحب کا رویہ زیادہ جارحانہ تھا۔اس کے بعد 5 اکتوبر کو وزیر برائے ہندوستان ایمرے نے جو خط وائسرائے کو لکھا تھا، اس

میں لکھا کہ اگر کانگرس جنگ کے معاملے میں تعاون سے مکمل انکار کر دے تو پھر جناح کو جس طرح اس نے اصرار کیا ہے ایک زائد ممبر اور یقین دہانی دے دی جائے اور ایک اور ممبر ایسے ہندو کو بنا دیا جائے جو کہ کانگرس میں شامل نہ ہو۔ اس طرح آپ کی انتظامیہ میں دونوں مذاہب سے وابستہ لوگوں کے درمیان توازن پیدا ہو جائے گا۔

14 اکتوبر کو وزیر صاحب نے اپنے خط لکھا کہ اگر کانگرس کے ساتھ تصادم شروع ہو جائے تو صورت حال اس طرح تبدیل ہو گی کہ آپ کو مسلم لیگ کی حمایت یقینی بنانی پڑے گی یا کم از کم دو ایسے اچھے مسلمان چننے پڑیں گے جو جناح کے ویٹو کی پرواہ نہ کریں۔

16 دسمبر 1940 کو وزیر برائے ہندوستان ایمرے صاحب نے وائسرائے ایک نوٹ لکھا کہ ایک ایسی سکیم تیار کیا جائے جس کے نتیجہ میں ہندوستان متحد رہے جو کہ مسلمانوں اور ریاستوں کے نوابوں کے لئے قابل قبول ہو اور کانگرس کو بھی تقسیم شدہ ہندوستان اور خانہ جنگی سے بہتر کچھ چیز مل جائے۔

جیسا کہ پہلے عرض کی گئی تھی کہ یہ ریکارڈ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ اور لنلتھگو پیپرز میں فائل / MSS EURF 125 10&9 میں اس ریکارڈ کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس ریکارڈ سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

1۔ برطانوی حکومت مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق ہندوستان کی تقسیم کی سخت مخالف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ تقسیم ہندوستان کی ترقی اور ان کے مفادات کے لئے نقصان دہ ہو گی۔ ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان ایک متحدہ صورت میں موجود رہے۔

2۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت برطانوی حکومت قائد اعظم محمد علی جناح کے سخت مخالف تھی۔ ان کے وزیر انہیں ایک خود پسند انسان سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر جناح کا وجود نہ ہو تو وہ بہت سے مسلمان لیڈروں ان سے تعاون کر سکتے ہیں۔

3۔ ان کا نظریہ تھا کہ گاندھی جی کی نسبت جواہر لال نہرو برطانوی حکومت کے بارے میں زیادہ جارحانہ رویہ رکھتے ہیں۔ بسا اوقات جب گاندھی جی اور کانگرس کا حکومت سے تصادم ہو رہا تھا تو وہ صرف دکھانے کے لئے ہو رہا ہوتا تھا۔

4۔ وہ مسلم لیگ کو صرف اس وقت قریب لانے کی کوشش کرتے تھے جب انہیں کانگرس کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔ اور اس طرح وہ کانگرس پر اپنا دباؤ بڑھاتے تھے۔

آخر میں ایک بار پھر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ تاریخی واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے جذباتی دعووں، سنی سنائی باتوں یا محض اپنے خیالات کو ایسے تجزیہ کی بنیاد بنانے کی بجائے، ٹھوس حقائق اور تاریخی دستاویزات کی بنیاد پر تجزیہ کرنا چاہیے۔ اور جب ایسی دستاویزات کے حوالے پیش کیے جائیں تو صرف اپنے مطلب کے ایک دو حوالوں پر انحصار کرنے کی بجائے مکمل تصویر پیش کرنی چاہیے۔

اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

مکرم پروفیسر ڈاکٹر سیّد بشارت احمد صاحب کے لئے ایک اور اعزاز

مکرم ڈاکٹر سید بشارت احمد شاہ صاحب کو دنیا کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی امریکن بین الاقوامی اور بین الضابطہ سائنسی سوسائٹی، سگماذی۔ دی سائنٹفک ریسرچ آنرسوسائٹی کی طرف سے اس کے مستقل رکن کے طور پر نامزد کیئے جانے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ یہ سائنٹفک ریسرچ آنرسوسائٹی سال 1886 میں کارنیل یونیورسٹی USA میں قائم ہوئی ہے۔

"آپ کی قابل ذکر علمی کامیابیوں اور اپنے شعبہ سے متعلق علم و تحقیق میں قابلِ قدر اور نمایاں اضافہ کرنے کے اعتراف میں، یہ ہماری خوشی ہے کہ آپ کو سگما Xi ، The Scientific Research Honor Society میں مکمل رکنیت کے لیے نامزد کیا گیا اور اس سائنسی تنظیم کی اعلیٰ سطحی رکنیت سے نوازا گیا۔ دنیا کے سب سے بڑے بین الضابطہ سائنسی معاشرے کے طور پر، سگما زی سوسائٹی سائینسدانوں اور محققین کو ان اقدار کے لیے تسلیم کرتی ہے جن میں 200 سے زیادہ نوبل انعام یافتہ بھی شامل ہیں۔ سب ایک ہی مشن کے تحت اکٹھے ہو رہے ہیں کہ:

"ریسرچ انٹرپرائز کی صحت کو بڑھانے کے لیے، سائنس اور انجینئرنگ میں سالمیت اور باہمی تعاون کو فروغ دینا، اور انسانی حالت کو بہتر بنانے کے مقصد سے سائنس کے بارے میں عوام کی سمجھ کو فروغ دینا۔"

سگما Xi میں خوش آمدید! اب آپ ایک عالمی برادری کا حصہ ہیں جو سوسائٹی کے مشن کے لیے پرعزم ہے۔ سگما Xi میں رکنیت آپ کو ریسرچ کمیونٹی میں ایک غیر معمولی شراکت دار کے طور پر ممتاز کرتی ہے اور آپ کے کیریئر کو سپورٹ کرنے کے بے شمار مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ الفاظ نامزدگی کی تحریر میں درج ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سید بشارت احمد صاحب طویل عرصہ جرمنی کے کولون ریجن کے امیر بھی رہ چکے ہیں آپ نے 31 سے زائد بین الاقوامی سائنسی اور شہری تنظیموں کے تاحیات رکن ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔ آپ جرمنی میں مقیم ہیں اور آسٹریا میں ایک گلوبل ڈیچ کمپنی کے ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں سینیئر کارپوریٹ سائنٹسٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جرمنی کے عدالتی نظام میں اعزازی جج کے طور پر بھی کام کر رہے ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ قابلیت کے علاوہ، وہ آرٹس، سائنس اور لاء گریجویٹ بھی ہیں۔ ڈاکٹر سید بشارت نامور غیر ملکی یونیورسٹیوں سے دو پی ایچ ڈی اور جرمنی سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کے علاوہ مختلف اعزازات حاصل کرنے والے واحد کشمیری بھی ہیں۔

آپ حضرت سید سیف اللہ شاہ صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعودؑ کے پوتے ہیں۔ آپ کے والد مرحوم مکرم سید محمد شاہ صاحب سیفیؔ مستجاب الدعوات بزرگ اور کشمیر کی ایک معزز اور معروف علمی شخصیت تھے۔ دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ اس اعزاز کو مکرم ڈاکٹر صاحب، انکے خاندان اور سلسلہ احمدیہ کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور باعث برکت بنائے اور مزید اعزازات کا پیش خیمہ بنائے نیز حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کو آپ کے حق میں بھی قبول فرمائے آمین۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی روایات

روزنامہ ”الفضل“ ربوہ 25/ اکتوبر 2013ء میں شامل اشاعت ایک مضمون میں مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے تعلیم الاسلام کالج کی بعض معروف روایات اور مشاہدات کو اپنے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔

تعلیم الاسلام کالج محض ایک کالج نہیں تھا، اپنی ذات میں ایک روایت تھا جس میں دینی تربیت اور دنیاوی تعلیم کے عناصر باہم گندھے ہوئے تھے۔ قادیان میں فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا افتتاح ہوا تو ہندوستان کے مشہور سائنس دان سر شانتی سروپ بھٹناگر تشریف لائے۔ جماعت احمدیہ نے علماء کو مدعو کرتے وقت کبھی عالم کا مذہب، عقیدہ یا قومیت مدّ نظر نہیں رکھی۔ چنانچہ کالج ربوہ منتقل ہوا تو یہاں روس کے ایک سائنس دان بھی تشریف لائے جنہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مجھے اس ادارے کے درودیوار سے علم دوستی کی خوشبو آرہی ہے۔ نیز پاکستان کے چوٹی کے علماء کے علاوہ یورپ و امریکہ کے سائنس دان اور مستشرقین بھی وہاں آتے رہے۔

(پروفیسر پرویز پروازی صاحب)

دراصل اس ادارے کی پہلی روایت علم کی قدردانی تھی۔ چنانچہ نوّے فیصد طلبہ کسی نہ کسی طور سے کالج کے مالی طور پر احسان مند تھے۔ کسی کی پوری فیس معاف تھی کسی کی جزوی۔ وظائف بھی دیے جاتے۔ کسی کو ہاسٹل کا کھانا مفت ملتا۔ کسی رعایت کے لیے کسی کا عقیدہ نہیں پوچھا جاتا تھا۔

بعض اساتذہ طلبہ پر اس درجہ مہربان رہتے اور پرنسپل صاحب اس سے بھی کردیتے۔ حتّٰی کہ مکرم محبوب عالم شکوہ کیا کہ وہ جرمانے معاف کردیتے میرے دل میں طلبہ کے لیے رحم ڈالا پرنسپل صاحب کی فراخ دلی دیکھ کر کہ ”مَیں صبح اٹھنے کا عادی نہیں ہوں معاف کردی جائے۔“ ناراض ہونے صاحب نے لکھا: ”مَیں اللہ رسول کے

تھے کہ فراخ دلی سے جرمانے کرتے زیادہ فراخ دلی سے جرمانے معاف خالد صاحب نے پرنسپل صاحب سے ہیں۔ جواب ملا کہ اگر اللہ میاں نے ہے تو مَیں ایسا کیوں نہ کروں؟ چنانچہ ایک طالب علم نے درخواست گزاری اس لیے مجھے صبح کی نماز کی حاضری کی بجائے اس درخواست پر پرنسپل حکم کی معافی دینے والا کون ہوتا ہوں؟

آئندہ سے احتیاط کروں گا کہ آپ کی نماز سے غیر حاضری کے جرمانے معاف نہ کروں۔"

کالج ایسے طلبہ کو تلاش کر کے داخلہ دیتا تھا جو مالی تنگی کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے کے قابل نہ ہوتے۔ کالج میں صرف نمبر پوچھے جاتے تھے، عقیدہ نہیں پوچھا جاتا تھا۔

کالج کی ایک روایت یہ تھی کہ ہر استاد استاد تھا اور ہر طالب علم طالب علم۔ یعنی ایسا نہیں تھا کہ جس نے آپ کو پڑھایا ہے صرف وہی آپ کا استاد ہو۔ 1955ء میں مَیں بزم اردو کا سیکرٹری تھا جب پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ مَیں کچھ دنوں کے لیے کراچی جا رہا ہوں، میری غیر حاضری میں میرے گورنمنٹ کالج کے زمانے کے ایک استاد کالج آ رہے ہیں، اُن کا خاص خیال رکھنا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مہمان استاد تو سائنس کے مضامین کے تھے۔ لیکن یہ حیرت چند دن بعد دُور ہو گئی جب پرنسپل صاحب ایک طالبعلم کو یوں سرزنش فرما رہے تھے کہ تمہارا یہ کہنا کہ تم فلاں مضمون نہیں پڑھتے اس لیے فلاں استاد تمہارا استاد نہیں، بالکل غلط بات ہے۔ جو بھی کالج کے سٹاف پر ہے وہ تمہارا استاد ہے اور لائق احترام۔ جا کر اُن سے معافی مانگو۔

یہی روایت تھی کہ جب استاذی المحترم چوہدری محمد علی صاحب کینیڈا تشریف لائے تو وینکوور سے ہمارے کالج کا باسکٹ بال کا ایک عیسائی کھلاڑی والیسؔ خاص طور پر اپنے بیٹے کو اُن سے ملوانے کے لیے اپنے ہمراہ لے کر ٹورانٹو آیا۔ اسی طرح نامور کھلاڑی خالد تاج (احمدی نہ ہونے کے باوجود) اُن کے گرد یوں رہا جیسے کوئی اپنے محبوب کے گرد گھومتا ہے۔

(پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب)

ایک بار اسسٹنٹ کمشنر نے چنیوٹ سے پرنسپل (مکرم میاں عطاء الرحمٰن صاحب) کو اطلاع دی کہ چنیوٹ کالج کے طلبہ نے ہڑتال کر دی ہے اور وہ ربوہ کی طرف جا رہے ہیں تا کہ وہاں کا کالج بھی بند کروا دیں، اگر آپ کو پولیس کی مدد چاہیے تو بھجوائی جا سکتی ہے۔ پرنسپل صاحب نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم خود انتظام کر لیں گے، پولیس کی ضرورت نہیں۔ پھر مجھے بلایا۔ مَیں فرسٹ ایئر کے سارے طلبہ کا اکٹھا پیریڈ لیا کرتا تھا جو ہال میں ہوتا تھا۔ میاں صاحب نے کہا کہ سیکنڈ ایئر کے طلبہ بھی ساتھ شامل کر لیں اور اپنا پیریڈ جاری رکھیں۔ چنانچہ ہال میں سات سو طلبہ اکٹھے ہو گئے۔ ہم نے درسی کتاب ایک طرف رکھی اور طلبہ کو خوبصورت اشعار سنانے شروع کیے۔ ہال واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعروں سے گونجتا رہا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد قبلہ میاں صاحب نے پیغام بھجوایا کہ اب کلاس چھوڑ دیں۔ چنانچہ کسی کو احساس بھی نہ ہوا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے اور چوتھے پیریڈ سے کالج کا کام معمول کے مطابق چلنے لگا۔ ہمارے کالج کا ماحول ہی ایسا تھا کہ طلبہ کو بھول کر بھی کسی ہڑتال کا خیال نہیں آتا تھا۔

ایک بار مجھے اپنے عزیز دوست جاوید محمود صاحب سے ملنے اُن کی عدالت میں جانا پڑا۔ وہ چنیوٹ میں اسسٹنٹ کمشنر تھے اور بعد کو چیف سیکرٹری ہو کر ریٹائر ہوئے۔ مَیں اُن کی عدالت میں داخل ہوا تو وہاں کم و بیش دس ایسے وکلاء موجود تھے جو میرے

شاگرد رہ چکے تھے۔ ایک کھلبلی سی پڑگئی، وکلاء تعظیماً ایک طرف ہوگئے۔ جاوید محمود چونک کر کھڑے ہوگئے اور عدالت برخاست کرکے مجھے اپنے پرائیویٹ کمرے میں بلالیا۔ کہنے لگے کہ یہ وکلاء آپ کے نیاز مند لگتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ ربوہ کالج کے یہ میرے شاگرد ہیں۔

ملک بھر میں ہمارے کالج کی روئنگ اور باسکٹ بال میں پہچان تھی۔ روئنگ کے کھلاڑی تو پرنسپل صاحب کے قریبی کہلاتے تھے جنہیں خوب حلوے اور دودھ سویابین کھلا کر پالا جاتا تھا۔ بعض کھلاڑی تو ڈنڈے کھاکر بھی بے مزا نہیں ہوتے تھے۔ کئی سال تک چیمپئن رہنے کا اعزاز رکھتے تھے۔

باسکٹ بال کا کھیل ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب نے شروع کیا اور پنے عروج تک پہنچادیا۔ ربوہ اس کھیل کا مرکز بن گیا اور نیشنل ٹیم سمیت ہر بڑی ٹیم میں ربوہ کالج کے کھلاڑی جانے لگے۔ مجھے بھی ناصر باسکٹ بال کلب کا نگران رہنے کا موقع ملا۔ اس دوران ایک بار ڈویژن کے کمشنر سیّد قاسم رضوی صاحب کالج میں تشریف لائے اور انہوں نے برسبیل تذکرہ مجھ سے پوچھا کہ ”ڈاکٹر صاحب! کیا آپ بھی باسکٹ بال کے کھلاڑی رہے ہیں؟“ مَیں نے کہا: ”جی سر! آؤٹ سٹینڈنگ کھلاڑی۔ وہ جو گراؤنڈ سے باہر کھڑے ہوتے ہیں۔“

(پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب)

ہمارے کالج کی ایک روایت بھرپور غیر نصابی سرگرمیاں بھی تھیں۔ ٹیوشن کا رواج نہیں تھا۔ بے شک مَیں ٹیوشن پڑھا کر ہی ایم اے کرنے کے قابل ہوا تھا مگر کالج کے سٹاف میں آجانے کے بعد کبھی ٹیوشن نہیں پڑھائی، ہاں پڑھائی میں مدد ضرور کی۔ ہمارے کالج کے اساتذہ علم پھیلاتے تھے، بیچتے نہیں تھے۔ اکثر اساتذہ کے پاس وقت بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ کالج سے فارغ ہو کر مختلف جماعتی سرگرمیوں اور ذیلی تنظیموں کے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔

یادِ حبیب

(سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارے ایّام کی یادوں پر مشتمل کتاب مصنفہ مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب سے ایک اقتباس)

ایک ظالمانہ حکم اور خانہ تلاشی:

اس وقت (1953) کے گورنر مسٹر آئی آئی چندریگر نے حکم صادر کیا۔ آپ آئندہ ایسا کوئی خطبہ نہ دیں جس میں حکومت یا مسلمانوں کے خلاف کچھ کہا جائے۔ نیز اس حکم پر ایس پی جھنگ کو خانہ تلاشی کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ واقعہ بہت دفعہ جماعت کے سامنے آچکا ہے۔ صرف اس قدر تحریر کروں کا کہ وہ پولیس افسر خدا کا خوف رکھنے والا، خدا کے جلال سے ڈرنے والا تھا۔ اس نے عرض کی کہ میری کیا حیثّیت کہ آپ جیسے پاک وجود کی تلاشی لوں مگر مجبوراً مجھے یہاں ڈیوٹی کی وجہ سے آنا پڑا ہے۔ میں اب رپورٹ لکھ دیتا ہوں کہ میں نے تلاشی لے لی ہے اور کچھ نہیں پایا۔ مگر حضور نے فرمایا کہ نہیں آپ ضرور تلاشی لیں۔ اگر مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں یہی کہوں گا میری تلاشی نہیں لی گئی۔ غرض اس افسر نے قاعدہ کی کاروائی مکمل کی۔ بعد میں حضور رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ نے اپنی ڈیوٹی مکمل کرلی ہے۔ اب میری بات توجہ سے سن لو۔ گورنر چندریگر کو یہ بتادینا کہ مرزا محمود کی گردن تو تمہارے ہاتھ میں ہے جس پر تم ہاتھ ڈال سکو۔ مگر تمہاری گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے تمہیں کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ ابھی چند دن نہیں گزرے تھے کہ حکومت پنجاب برطرف کردی گئی۔ مسٹر چندریگر کو گورنری سے ہٹادیا گیا اسے اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ جناب دولتانہ صاحب کو دوبارہ کبھی بھی اقتدار نصیب نہ ہو سکا۔ مگر اس فتح نصیب جرنیل کی روحانی فوجیں ملک در ملک فتح کرتی رہیں اور اسلام واحمدیت دنیا کے کناروں تک پھیلتی گئی۔

بغداد کی گلیوں میں گھسیٹی جارہی برہنہ لاش

(از مکرم شیخ لئیق احمد صاحب۔بشکریہ ہم سب۔مورخہ دو فروری 2023)

جانے کیوں پندرہ جولائی 1958 کی صبح اخبارات میں چھپے بغداد کی گلیوں میں گلے میں رسی ڈال کے گھسیٹی جارہی برہنہ لاش کے فوٹو آج بھی اکثر ڈراؤنے بھوت بن کے میرے سامنے ناچنے لگتے ہیں۔ یہ عراق کے شاہ فیصل ثانی کے ماموں، 1939 سے 1953 تک اس کی طرف سے بطور ریجنٹ اور وزیر اعظم حکومت کرنے والے عبداللہ کی لاش تھی۔ اس کی لاش کا مثلہ کرتے عضو مخصوص کاٹ منہ میں دینے کا بھی کچھ ذکر تھا اور بغداد کے چوک میں اس لاش کے لٹکنے کے منظر تھے۔

چودہ جولائی کی صبح عراقی فوج کے انیسویں بریگیڈ کے بریگیڈیئر، جنرل عبدالکریم قاسم اور اس کے دوست کرنل عبدالسلام عارف کی قیادت میں عراقی حکومت کا تختہ الٹا جاچکا تھا۔ چار سال کی عمر میں تاج سجنے کے بعد اٹھارہ برس کی عمر تک تعلیم کے لئے برطانیہ میں مقیم رہنے والے، شریف مکہ حسین بن علی کے پڑپوتے شاہ فیصل ثانی اور اس کے تمام اہل خانہ کو شاہی محل ہی کے باغیچہ میں دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے گولیوں سے بھون دیا گیا تھا۔ کئی لاشوں کی بھی نمائش کی گئی، مگر عبداللہ کے ساتھ خصوصی بہیمانہ سلوک کیا گیا تھا۔ وزیر اعظم نوری السعید بچ نکلا مگر اگلے روز برقعہ پہن فرار ہونے کی کوشش کرتے پکڑا گیا اور اسی انجام کو پہنچ چکا تھا۔

Abd al-Ilah

فیصل ثانی کا باپ شاہ غازی اپنے باپ فیصل اول کی وفات پر 1933 میں تخت نشین ہوا۔ برطانوی حاکمیت سے جان چھڑانے کی کوشش کی تو 1939 میں اپنے تیز کار چلانے کے شوق کو پورا کرتے کار ایک کھمبے سے ٹکرانے یا ٹکروائے جانے کے حادثے میں ہلاک ہو جانے کی خبریں نشر ہو گئیں۔ (رنگ قدرت یا مماثلت یا کچھ اور کہ چھ دہائیوں بعد اسی سلطنت برطانیہ کے زیر عتاب آنے والی شہزادی ڈیانا اپنے دوست عرب نژاد دودی الفائد کے ساتھ اسی انداز میں تیز رفتار کار کے کھمبے سے ٹکرانے یا ٹکروائے جانے کے حادثہ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں)۔

تب چار سالہ شاہ فیصل دوم شاہ عراق کے منصب پر فائز ہوا تھا۔ اور چودہ جولائی 1958 کو اس کی لاش بھی نمائش کے لئے رکھی گئی تھی۔ ہاں یہاں بھی عبدالکریم قاسم، عبدالسلام عارف اور ساتھی جنگ فلسطین میں بے جگری سے لڑ چکے تھے۔ اور یہاں بھی آزاد افسران کا گروپ تھا۔ مصر کے جمال عبدالناصر، انوارالسادات کے گروپ کی طرح اور اسی ناصر کا مداح۔ عراق اور اردن

نے مصر شام اتحاد کی مخالفت کی تھی اور جواباً ناصر عراق ایران ترکی پاکستان کے معاہدۂ بغداد کا بھی مخالف تھا اور عراق اردن ادغام کا بھی۔

عراق سے بادشاہت کا خاتمہ کرتے تین رکنی حاکمیت کونسل، جس کی حاکمیت ہی نہ تھی، کے نیچے اصل مقتدر عبدالکریم قاسم، وزیر اعظم، سپریم فوجی کمانڈر اور وزیر دفاع کے عہدہ پر فائز ہوتے عنان اقتدار سنبھال چکے تھے۔ عبدالسلام عارف ڈپٹی کمانڈر، نائب وزیر اعظم اور وزارت داخلہ کے قلمدان کے حق دار پائے بعث پارٹی کے احمد حسن البکر بھی کابینہ کے رکن بنے۔ گھر کے چوکیدار گھر پہ قابض ہو چکے تھے۔

nuri al said

ہندوستانی فلم ڈی کا کہانی کی روح بیان کرتا فقرہ "دھندے میں دوست دشمن ہوتا ہے" بہت سچی حقیقت ہے۔ اقتدار کی سیڑھیوں اور پگڈنڈی پہ چڑھتے راہ دکھانے والے محسنوں اور ساتھ لے جانے والے اپنوں کی پیٹھ میں خنجر بھونکتے راہ سے ہٹا کے خود قابض ہو جانے کا کھیل۔ ظلّ ہما نظر آتے اقتدار کی سیڑھی کی طرف دھکیلنے والے مصر کے جمال عبدالناصر سے نجات کا خواہشمند قاسم، اب بھی ناصر کے حامی اپنے دست راست عبدالسلام عارف کو صرف اڑھائی ماہ بعد تیس ستمبر کو عہدوں سے فارغ اور چار نومبر کو سازش کے الزام میں موت کی سزا سنا چکا تھا۔ سزائے موت بعد میں عمر قید میں بدل گئی۔

آٹھ فروری انیس سو تریسٹھ پھر دھندے کی دوستی کی دشمنی رنگ دکھا رہی تھی۔ انقلاب رمضان کے نام سے مشہور یہ دن بعث پارٹی کے احمد حسن البکر اور عبدالسلام عارف پہلے انقلاب کے اپنے قائد سے اپنی دوستی نبھا رہے تھے۔ حکومت الٹنے کا آپریشن کامیاب ہوا۔ عبدالکریم قاسم گرفتار ہوا۔ سرسری سماعت نے موت کی سزا سنائی اور ساتھ ہی گولی سے اڑا وہیں پہنچا دیا گیا جہاں اس نے شاہی خاندان کو پہنچایا تھا۔ کسی کو مدفن کا بھی پتہ نہ تھا۔ دو ہزار چار میں اس کی قبر کا کھوج لگا۔

اب عارف عبدالسلام صدر اور حسن البکر وزیر اعظم تھے۔ مگر اس دھندے میں بھی پارٹنر جلد دشمن نظر آنے لگے اور نومبر تریسٹھ میں ہی عارف، حسن البکر کو حکومت سے بر طرف اور فوج سے جبری ریٹائر کر چکے تھے۔ عبدالسلام عارف کا بھائی عبدالرحمان عارف منظر پہ آ چکا تھا اور اقتدار کی عنان دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں مضبوطی سے آ چکی تھی (دو پاکستانی بھائی آ گئے نا یاد)۔ اپریل چھیاسٹھ میں عبدالسلام عارف بھی ہیلی کاپٹر حادثہ میں رب کے حضور حاضر ہو گیا یا بھیج دیا گیا۔ (بس یہ ہیلی کاپٹر حادثے بھی نا۔ بس قسمت ہو تو پاکستان میں دو ہزار بائیس میں دو حادثے ہوتے ہوتے محفوظ بروقت لینڈنگ کرا جاتے ہیں) اب عبدالرحمان عارف کی حکومت تھی۔

دو برس بعد ہی سترہ جولائی اڑسٹھ کو حسن البکر اور اس کے کزن صدام حسین، عارف کے بھائی عبدالرحمان عارف کی حکومت

الباشا نوري السعيد مسحولا

الوصي عبد الاله معلقا ومقطع بسكاكين الشاورما

الٹ کر جوابی وار کر کے اقتدار پہ براجمان ہو گئے اور انیس سو اناسی میں حسن البکر کی قیادت میں انتہائی تیزی سے ترقی کرتے عراق نے حسن البکر کو اپنے کزن صدام کی آستین میں خنجر دیکھ جان بچاتے مستعفی ہو گوشۂ عافیت میں جاتے دیکھا۔ صدام طاقت کے نشے میں امریکہ کی عراق کی ترقی کے مستقبل میں چبھتا لگنے والا کانٹا ابھی سے نکال دینے کی سازش کو نہ سمجھ سکا اور اسی کی شہ پے آٹھ سالہ عراق ایران جنگ، اور نوے میں کویت پر چڑھائی کر کے تینوں ملکوں کی تباہی کروا چکا تھا۔ زیر تعمیر ایٹمی پلانٹ اکیاسی میں ہی اسرائیلی طیاروں سے تباہ کروایا جا چکا تھا۔ (یہ بھی عشق و محبت کی رنگین داستان سے بھرپور مشن تھا اور اس پہ کتاب اسّی کی دہائی میں ہی سامنے آئی تھی) پھر کیمیکل ہتھیاروں کے الزام نے عراق کو دو ہزار تین میں امریکہ و برطانیہ وغیرہ کے قبضہ میں جاتے دیکھا۔ یہاں اس کے دونوں دامادوں نے دامادی نبھائی اور راز امریکہ کے حوالے کیے تھے۔ دو ہزار سات میں مفرور صدام پوشیدہ غار میں سے کھینچ نکالا جا چکا اور تھوڑے عرصہ بعد "شان سے مقتل کی طرف" جا رہا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

چند ہفتہ قبل یونہی یاد آ جانے والے اپنے سامنے گزرے الجزائر کے مجاہد آزادی بن بیلہ، ایوب خاں، سوئیکارنو اور نکرومہ وغیرہ کی استعماری طاقتوں کے چنگل سے اپنے ملکوں کی ڈیگال کی رہنمائی میں آزاد غیر جانبدار بلاک بنانے کے بھاگ دوڑ اور پھر ان لیڈروں اور ملکوں کے حشر سے متعلق مواد دیکھنے لگا تو ساتھ ہی شاہ فاروق، جنرل نجیب، شاہ فیصل ثانی قسم کے عبرت ناک مناظر سامنے آتے گئے۔ ایک چیز جو مشترک نظر آئی وہ یہ کہ اقتدار، کرسی اور حاکمیت کے لالچ میں طالع آزما، ان سیڑھیوں پر چڑھتے آستین کے سانپ بن یا خنجر چھپا پیچھے سے وار کرتے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے اکثر پیش رو انہی محبتوں کا شکار بھی ہوتے جائے عبرت کا نشان بنتے انہیں انجام سے آگاہ بھی کر گئے ہیں۔

Abd_al-Salam_A'ref_&_Abd_al-Karim_Qasim

تخت شاہی اور اقتدار کی مسند پر چڑھنے کے اکثر ایک جیسے کھیل اور ایک جیسے انجام کی کہانیاں پڑھتا نہ کیسے یک دم یہ بیاسی سالہ بوڑھا اکتوبر سینتالیس میں واہگہ بارڈر پہ پاکستان داخل ہوتے بخیریت جائے امن پہنچتے خوشی کے آنسوؤں میں ڈوبے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتا بچہ بن گیا۔اب بائیس سال قبل کینیڈا بھاگ آیا یہ بوڑھا ہو چکا بچہ پھر پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتا آنسو بہا رہا تھا۔ مگر یہ آنسو دکھ کے آنسو تھے۔

مسجد، امام بارگاہ، مندر، گرد دوارا، گرجا کی بم دھماکوں سے مسمار ہوتی چھتیں، نکلتے شعلے اور بلند ہوتی چیخ و پکار۔ان سے ملحقہ پوری آبادیوں سے بلند ہوتے شعلوں سے نکلتی جلتی انسانیت کی بو، مساجد کے لاؤڈ سپیکروں سے چنگھاڑتی مار ڈالو جلا ڈالو کی چھنگھاڑیں، سرکاری سرپرستی میں پولیس کی موجودگی یا اسی کے ہاتھوں مسمار ہوتے مینارے محراب قبروں کے کتبے، پھاوڑوں سے بے حرمت کی جاتی قبریں، اقتدار کی جنگ میں قعر مذلت میں جاتا ملک اور بے کفن ایک سو چالیس نمبر قبر میں برہنہ پڑا انظام انصاف، ایک دوسرے کو اور اپنوں کو اور ملک کی سالمیت کو پیٹھ پیچھے سے خنجر مار کے اقتدار چھینے اور ملک لوٹنے دیوالیہ کرنے کے حیلے، قحط کی طرف جاتی غربت کی دہائی، اور جانے کیا کیا، یاد آتے ان نعروں کی گونج میں درد پیدا کرتے خدائے بزرگ و برتر سے خود کشی پہ تلی اس قوم پر رحم کی نظر اور ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمانے کی منت کر رہے تھے۔ کہ قرآن مجید میں بیان فرمودہ نافرمان قوموں کو کیے گئے اکثر انذار تو سامنے سے بے اثر گزر چکے۔

ادھر سوشل میڈیا کے واٹس ایپ، ٹویٹر، انسٹاگرام فیس بک پہ پشاور کے جلوس کے نامعلوم اور معلوم کے نعروں سے بلبلاتی وڈیو ہر چند منٹ پر لوڈ ہوتی جاتی نظر آ رہی تھی۔ ”آئی زنجیر کی آواز، خدا خیر کرے“ کا گانا یوٹیوب پہ آواز بکھیر رہا تھا۔

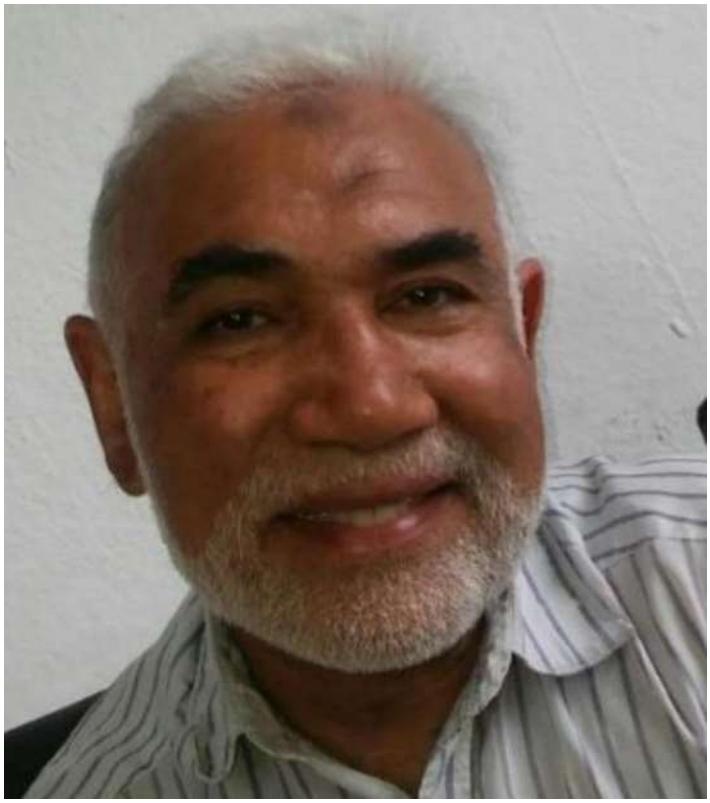

پشاور دھماکہ: خاموش نیرو بانسری بجارہا ہے

(از الم نگار۔ بشکریہ۔ ہم سب۔ یکم فروری 2023)

پولیس لائن پشاور کی مسجد میں خود کش دھماکہ ہوا۔ آخری خبریں آنے تک سو سے زائد نمازیوں کی شہادت ہو چکی ہے۔ پہلے یہ خبر آئی کہ عمر مکرم خراسانی نے جو کہ تحریک طالبان پاکستان کے لیڈر ہیں، اس دھماکے کی ذمہ داری قبول کی ہے اور یہ بیان دیا ہے کہ اس دھماکے کے ذریعہ ان کے بھائی خالد خراسانی کے قتل کا بدلہ لیا گیا ہے۔

خالد خراسانی کا تعلق مہمند ایجنسی سے تھا اور مہمند میں طالبان کا اقتدار قائم کرنے میں ان کا کافی ہاتھ تھا۔ مہمند میں طالبان کی عدالتیں قائم کی گئی تھیں اور خواتین پر یہ پابندی لگادی گئی تھی کہ وہ محرم مرد کے بغیر باہر نہیں نکل سکتیں۔ خالد خراسانی نے 2014 میں قیادت کے اختلافات پر تحریک طالبان پاکستان سے علیحدہ ہو کر ایک اور تنظیم جماعت الاحرار کی بنیاد رکھی تھی۔ اور داعش سے وابستگی کا اعلان کیا تھا لیکن ایک سال بعد پھر تحریک طالبان پاکستان میں ضم ہو گئے۔ لیکن جماعت الاحرار کی اپنی تنظیم بھی باقی رکھی گئی۔

مارچ 2014 میں خالد خراسانی نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ پاکستان پر اپنی حکومت قائم کر کے شریعت نافذ کریں گے اور پاکستان کے ایٹمی ہتھیار حاصل کر کے عالمی جہاد کے ذریعہ پوری دنیا خلافت قائم کریں گے۔ خالد خراسانی کے القاعدہ سے گہرے تعلقات تھے۔ اور پھر 2020 میں بھی جماعت الاحرار نے ایک بار پھر تحریک طالبان پاکستان سے وابستگی کا اعلان کیا اور گزشتہ برس دہشت گردوں کے کئی چھوٹے چھوٹے گروہ تحریک طالبان پاکستان میں ضم ہوئے تھے اور ان کی طرف سے اس بارے میں فخریہ اعلانات بھی کیے جاتے رہے۔

اب بھی خالد خراسانی کے بھائی عمر مکرم خراسانی تحریک طالبان پاکستان کی مرکزی قیادت میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن تحریک

طالبان پاکستان نے اس دھماکے میں ملوث ہونے سے انکار کیا ہے اور یہ بیان جاری کیا ہے مساجد، خانقاہوں اور مدرسوں پر حملے کرنا ان کی پالیسی نہیں ہے۔ حالانکہ پہلے کئی مرتبہ تحریک طالبان پاکستان مساجد اور مزاروں پر حملہ کر چکی ہے۔ اس دھماکے کے بعد بعض سرکاری اہلکاروں نے بھی یہ بیان دیا ہے کہ اب شاید جماعت الاحرار طالبان سے کچھ علیحدہ کام کر رہی ہے۔

ایک بار پھر وہی پرانی تاریخ دہرائی گئی ہے کہ جب ان پر دباؤ بڑھے تو دہشت گرد تنظیمیں مذاکرات شروع کرتی ہیں اور کچھ مہینوں کے لئے سیز فائر ہوتا ہے۔ اس دوران بھولی پاکستانی حکومت دھڑا دھڑ دہشت گردوں کو رہا کرنا شروع کرتی ہے۔ کچھ دانشور بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھا! مذاکرات کے کتنے بابرکت نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ پھر ایک بار پھر دہشت گرد تنظیمیں یہ اعلان کرتی ہیں کہ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں اور ہم سیز فائر ختم کر رہے ہیں۔ اور ایک بار پھر پاکستانیوں کے خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔

طالبان اور دوسری دہشت گرد تنظیموں کا ایک اور مجرب اور آزمودہ نسخہ یہ ہے کہ جب کوئی دہشت گردی کا واقعہ ہو اور زیادہ تنقید ہو تو یہ بیان جاری کر دیتے ہیں کہ یہ کارروائی ہم نے نہیں کی، یہ تو فلاں گروہ نے اپنے طور پر کی ہے۔ جس طرح اس وقت مکرم خراسانی امت مسلمہ کو یہ خوش خبری سنا رہے ہیں کہ میں نے ایک سو نمازیوں کو شہید کرنے کا کارنامہ سر انجام دیا ہے اور تحریک طالبان پاکستان یہ بیان جاری کر رہی ہے کہ ہمارا اس کارروائی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ان کا یہ دعویٰ درست ہے تو پھر ان کے نزدیک مسجد پر حملہ ایک خطرناک گناہ ہے تو پھر وہ اپنے ممبر اور مرکزی لیڈر مکرم خراسانی کو پکڑ کر سزا دیں۔ اگر اس کی توفیق نہیں ہے تو کم از کم اسے اپنی رکنیت اور شوریٰ سے نکالنے کا اعلان کریں۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ تاکہ پاکستان کے کچھ دانشور جو کہ حکمت عملی کی گہرائیوں کو سمجھتے ہیں، فوری طور پر خوشی سے اعلان کر سکیں کہ لو جی ہم نہ کہتے تھے کہ طالبان ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔

اس دھماکے سے قبل بھی جب دہشت گردی بڑھنے لگی تو سابق وزیر اعظم عمران خان صاحب کا جو موقف سامنے آیا وہ اسی فلمی گانے کے مترادف تھا۔

؎ کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

انہوں نے جنوری کے دوسرے ہفتہ میں کہا کہ میری حکومت تو پاکستان میں طالبان کی دوبارہ آبادکاری کے نیک کام کو سرانجام دے رہی تھی تاکہ انہیں عام لوگوں کی طرح کام کاج پر لگا کر قومی دھارے میں شامل کیا جائے لیکن صوبوں نے مالی وسائل مہیا نہیں کیے۔ یہ درست ہے کہ عمران خان صاحب نے پاکستان میں طالبان کو دوبارہ آنے کی اجازت دی تھی اور بڑی تعداد میں صوبہ سرحد میں آکر آباد ہونے لگے تھے لیکن انہوں نے ایک دن کے لئے بھی عام لوگوں کی طرح زندگی گزارنے کا عمل شروع نہیں کیا تھا۔ حکومت پاکستان نے انہیں اپنے اسلحہ سمیت ملک میں آباد کرنے کا کام شروع کیا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ فوری طور پر طالبان نے بھتہ لینے کا دھندا اور اپنی دوسری کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ کوئی غیر مسلح شخص یا گروہ جبکہ وہ

حکومت کی نظر میں بھی ہو اس قسم کی کارروائیاں شروع نہیں کر سکتا۔

عمران خان صاحب بے شک طالبان کی بلائیں لیں لیکن خود ان کی پارٹی کے ممبران اسمبلی اس بات پر واویلا کر رہے تھے کہ طالبان نے آتے ہی مقامی لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ طالبان کی پاکستان واپسی کو چند روز ہی ہوئے تھے کہ سوات اور دوسرے علاقوں میں عوام سڑکوں پر آکر احتجاج کر رہے تھے۔ اور یہ سب کچھ خیبر پختون خواہ میں ہو رہا تھا۔ اور شاید یہ بات عمران خان صاحب کے علم میں ہو کہ صوبہ پختون خوا میں ان کی جماعت کی حکومت تھی۔ وہ تو اپنے وسائل سے طالبان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کا کارنامہ سرانجام دے سکتی تھی۔ چند روز تک پنجاب میں ان کی جماعت کی حکومت تھی۔ اس حکومت نے طالبان کی عظیم اصلاح کے لئے کیا کارنامہ سرانجام دیا؟ لیکن عمران خان صاحب سارا الزام سندھ اور بلوچستان کی حکومتوں پر ڈال کر فارغ ہو گئے کہ انہوں نے اپنے حصہ میں سے طالبان کی مدد کے لئے مالی وسائل مہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ واپس آنے والوں کا تعلق خیبر پختون خواہ سے تھا۔

پنجاب اور خیبر پختون خواہ کے لوگوں نے کبھی یہ منظر نہیں دیکھا تھا کہ طالبان سے وابستہ نوجوان کتابیں اٹھا کر سکول یا کالج جا رہے ہیں۔ یا انہیں بعض مراکز میں مختلف شعبوں میں فنی تربیت دی جا رہی ہے تا کہ وہ محنت مزدوری کر کے روٹی کما سکیں۔ کوئی ویلڈنگ سیکھ رہا ہے۔ کسی کو پلمبنگ سکھائی جا رہی۔ اور وہ جگہ جگہ اس بات پر شکر کرتے نظر آ رہے ہیں کہ پہلے ہم دہشت گردوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے اور اسی بھول چوک میں ہم نے فقط اسی ہزار پاکستانیوں کو شہید کر دیا لیکن ایک زیرک حکمران کی مہربانی سے اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں، اب ہم عام شہریوں کی طرح زندگی گزارنا شروع کر دیں گے۔ ایسا ایک دن کے لئے کسی ایک مقام پر بھی نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ بات غلط ہے تو عمران خان صاحب اس کی کوئی ایک مثال پیش کریں۔

اس دھماکے کے بعد عمران خان صاحب نے یہ ٹویٹ جاری فرمایا کہ ہمیں انٹیلی جنس کے نظام کو بہتر بنانا چاہیے۔ بڑی دور کی کوڑی لائے۔ میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے کہ ملک کے وزیر اعظم کو کبھی کبھی خبریں سن لینی چاہئیں۔ اس راز پر دہ اٹھانے کے لئے کسی خفیہ ادارے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ 2019 کے بعد ہر سال دہشت گردی سے شہید ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لوگ سڑکوں پر آکر احتجاج کر رہے تھے کہ اس منحوس سلسلہ کو روکو۔ خود تحریک انصاف کی ممبران اسمبلی دہائیاں دے رہے تھے۔ لیکن روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ اور اب یہ روز سیاہ دیکھنا پڑا کہ ایک دھماکے میں سو سے زائد افراد شہید کر دیے گئے۔ آپ رک کیوں گئے؟ بانسری بجائیے۔